ہفت کشور

جعفر طاہر

ادارۂ مصنفین پاکستان
(پاکستان رائٹرز گلڈ)

جعفر طاہر

ہفت کشور

مشرقِ خفتہ کا صحیفۂ بیداری
تخیُل و تمثیل کا ارژنگ

گلڈ پبلشنگ ہاؤس

اسٹریچن روڈ
کراچی

پرنسز ہوٹل
منٹگمری روڈ لاہور

جولائی ۱۹۶۲ء

شائع کردہ ـــــ پاکستان رائٹرز گلڈ (مرکز)
اسٹریچن روڈ کراچی
مطبع ـــــ انجمن پریس کراچی

ہفت کشور

عیبِ طولِ کلام مت کریو
کیا کروں میں سخن سے خوگر تھا

خدائے سخن میرؔ

قدرت اللہ شہاب کے نام

آں مہرباں کہ آبروئے ہفت کشور است

حدیثِ دلبراں

مرے عزیزو

یہ پوچھتے کیا ہو، کون ہوں میں

یہ بات چھوڑو

بلندیوں کا سلام لو،

کاروبارِ شہرِ سپہر دیکھو

چلو پھرو گلفروشِ پہنائیوں میں، گاتے ہوئے ستاروں کی وادیوں میں،

قدم گہہِ شاہدانِ جنت جمال دیکھو

نہ دور باشِ نگاہبانان نہ خوش غلافِ طلایہ داراں

تماشاگاہِ فلک فلک

دولتِ منیرِ ملائکہ

ہیکلِ گہر بارِ کہکشاں

مسکنِ فرستادگانِ عالی

نئی زمینیں نئی فضائیں

ملو حسینانِ کشورِ کبریا سے

آؤ یہ تاکِ پر دیں کے تازہ انگور ہیں یہ کھاؤ

پیو شرابِ شبابِ دائم

یہ زہرۂ خوش ادا و برجیس مہ لقا آرہی ہیں، ان سے گلے ملو

اب جھجکتے کیا ہو

یہ آنکھیں کب سے تمہاری رہ دیکھتی رہی ہیں

تمہارے ذوقِ نظر کے سنتی رہی ہیں مجھ سے کئی فسانے

اٹھو اور ان آہوانِ گلزارِ دلبری کو گلے لگا لو

جوان و سنگین و آہنیں بازوؤں میں لے لو

سلگتی پیشانیوں کو چومو، یہ تشنہ رو کالبیں تمہارے طویل بوسوں کی آرزو میں سلگ

رہی ہیں

ملو کہ جس طرح اپنے شہروں کی نازنینوں سے روز ملتے ہو — بے حجابانہ/بے تکلف

وجوب تا ہے، وجوبِ امکاں کی جنگ تم جیت ہی گئے یہ بڑی خوشی ہے

مگر یہ کیا پوچھتے ہو، میں کون ہوں! یہ ہیں

اب یہ کیا بتاؤں

یہ ہیں کہ جس کا وجود اپنے مقام پر

اپنی ذات میں

لازوال، قیوم و حیّ و قائم

یہ ہیں کہ دستِ عدم کی زد سے بلند و باہر

اہم و اکبر

یہ ہیں کہ جو

پیشکارِ دیوانِ کبریا ہوں
تفاکی بے مائگی پہ خنداں
مُرورِ ایام و نیشِ نیرنگ سے منزّہ
یہ میں
انا الوقت
روحِ مطلق
یہ میں کہ جس کی نہاد
بود و نبودِ آفاق و ہفت افلاک و عالمِ خاک سے بے نیاز
رنگِ زماں زماں
زنگِ دوجہاں سے ورا
انا الوقت
فکرِ کامل
یہ میں کہ
نیر وئے نورِ دائم
نوردِ اوراقِ زندگانی
یہ میں دمِ دانش و دلِ بینش و ادب ساز و دانش آموزگارِ گیتی
جو بندِ پیراہن و قبا سے
جو تہمتِ مردن و کفن سے بری
انا الوقت

چشمۂ فیضِ سرمدی
مصدرِ عنایاتِ ایزدی
ساقیٔ خمستانِ عزم و توفیق
جو نہیں ہے
کبھی نہ ہوگا
رہینِ آبِ زُلالِ خضرؑ و دمِ مسیحا
یہاں ابد اور ازل بھی اک صفحۂ ہیولٰے سے ہیچ تر ہیں
پہاڑ یک تارِ مُو
تمہارے بلند کہسار ناخنِ پا کی یک تراشِ سیہ
سمندر —— مرے سبو کا حقیر قطرہ
سنہرے ساحل —— کمانِ ابرو کا سایۂ سیمگوں
تمہارے سمندروں کے دلوں میں آباد جنتیں
خوابگوں جزیرے
عقیق و نیلم کی وادیاں،
نقرئی، حریری، خنک، سیہ، زرد، قرمزی، گلفروش پہنائیاں
ہیں ہیچ اک فکرِ مطلق
یہ دیکھتے ہو
لوائے تقدیر میرے کاخِ بلند پر لہلہا رہا ہے
شکن شکن سے نمودِ کون و مکاں، حدوثِ جہاں

یہ پیوند و ربطِ ہر سلسلہ بھی دیکھو
طوافِ اشباحِ عرشیاں
رقصِ نازِ ارواحِ قدسیاں
عشوہ کاریٔ حوریاں
سرود و صدائے مرغانِ اولی الاجنحہ مرے حکم سے ہے
لیل و نہار
یہ نیرّین
تابِ نجوم و سیمِ کواکبِ چرخ
سب مرے پر تو نوا و نفس ہیں
اور یہ تمہاری صدیاں
تو آمد و شدِ ہر نفس کا
وہ مختصر وقفۂ سکوں ہے
کہ سانس لینے میں جس کا تم کو بھی تجربہ ہے
یہ موجۂ اوج و ارتقا ہو کہ فالِ فیروزیٔ جہاں
قصر، محل، ایواں، بہار و بستاں
یہ اخترِ سوختہ کی بے جان چشمکیں ہیں
ہجومِ خاشاک و بے نوا پتیوں کی موہوم رونقیں ہیں
تمہاری دنیا پہ ہر چمکتا ہوا نیا پُر جلال سورج
ہے ایک ذرّے کی تابکاری

یہ طلعتِ نارہ و نارِ نمرود
یہ رستخیزِ بشر، یہ شر، یہ
یہ رگ شیدہ ذرات کی جہانسوزیاں
فقط لرزشِ خفی ہیں
یہ خطِ صہبا بروئے مینا
ملائکہ، حوریاں، بزرگانِ عرش
پیوستگانِ عہدِ الست
کب میری شورشِ شوق پا سکے ہیں
یہ کودکانِ محلۂ کبریائی کیا، ان کی عمر ہی کیا
من و مہ و سالِ من ہماں
مستیٔ شب و روزِ من ہماں
ابر و ساقی و مطرب و خمِ عمرِ جاوداں
اور یہ بھی سن لو
یہاں پہ غیب و شہود سب ایک ہیں
عدم اور وجود سب ایک ہیں
نہ سانسوں کے ٹوٹتے سلسلے نہ ماتھوں کی سلوٹیں ہیں
فضا مرے آستاں پہ خوابِ گراں میں گم ہے
مگر یہ تم
اپنے اپنے پیمانہ ہائے عمری سے

مسطرِ ماہ و سال سے ناپتے ہو مجھ کو

یہ چھیڑ کیا ہے؟

کبھی سُنا ہے

کہ آدمِ اولیں سے پہلے بھی کوئی آدم گذر چکا ہے

اور اس سے پہلے بھی ایک آدم

وہ ایک آدمی منش جو پوچھو تو کل کا بچہ ہے

عمر و تقویم کا تقابل نہ کر سکو گے

یہ میں نہیں تم گذر رہے ہو

ابھر ابھر کر بکھر رہے ہو

یہ خیمۂ سروری مرا دیکھتے ہو

شش روئے کائنات اس کا ایک گوشہ

اور اس میں آدمؑ کا گاہوارہ

جہیزِ حواؑ،

سفینۂ نوحؑ، نادِ منوؒ

ہوائے گلخانۂ براہیمؑ، یہ عصائے کلیمؑ

یہ چنگِ پاکِ داؤدؑ ہے تو یہ بربطِ سلیمانؑ

وہ کرشنؑ کی بنسری دھری ہے

وہ رامؑ کے نام کی ہے مالا

قنات اندر قنات گم سوزنِ طلاکارِ آسیا

فرِ خوابِ سلطانیٔ زلیخاؑ

یہ میرا خیمہ کہ حسنِ یوسفؑ چراغ جس کا
جمالِ گوتم کی دلبرانہ خموشیاں، حرفِ محرمانہ
صدائے سقراطؒ، سوزِ زرتشتؒ، ہاؤ ہوئے قلندرانہ
سکندر و سازِ علمِ یوناں
دمِ مسیحؑ و جلالِ روما
یہاں اندھیرے بھی ہیں بعنوانِ ہر تجلّی
یہاں خموشی بھی ہے بعنوانِ ہر تماشا
یہاں قیامت بھی ہے بسامانِ ہر تقاضا
مگر وہ مخدوم و والیٔ دو جہاں
وہ ارکانِ عالم و مہرِ آفرینش کا نقشِ زیبا
حبیبِ یزداں محمدؐ مصطفےٰؐ علیہ السلام
بھی ہیں قیام فرما
یہ میری عزت کہ پیشوائے ہمہ سروشانِ راز ہیں میرے مہماں
ان کے نیک اصحابؓ و اہلبیتِؑ کرام ہیں خلوتیٔ خیمہ
مگر یہ نقش و نگار خونِ حسینؑ و لب تشنگانِ میدانِ کربلا کے لہو سے رخشاں
کتانِ مہ، قاقمِ سہا، طیلسانِ مریخ
ذوالفقارِ علیؑ و کلکِ عطارد و برقِ طور یکجا
نوائے مانیؔ و فکرِ مولائے رومؒ

حلاجؒ و سرمدؒ و طاہرہؒ کا سوزِ دروں
حکایاتِ سعدیؒ و جامِ حافظؒ و چار اشکِ خیام و شعرِ خسرو
نظیریؒ و بیدلؒ و غنیؒ کی غزل
نشیدِ حیاتِ عرفیؒ و نعتِ قدسیؒ
یہاں نغمہائے میرؒ صاحب، کلامِ سوداؒ، بیانِ غالبؒ
خلوصِ فکرِ انیسؒ و گلہائے باغِ اقبالؒ — دولتِ بے بہا
اروپا کے نامدارانِ علم کے لازوال شہکار، بھجے، زمزمے، ترانے
صلیب و زنار و مصحف و جام
میرے خیمے میں کیا نہیں ہے
کہ میں
رواں بخشِ عالم و مایہ دارِ گیتی و راں
امیرِ خدائگانِ امم
امینِ حجاب و ناموسِ اقہاتِ جلیل و یکتا
کہ میں
دھورِ و زماں کا مالک ہوں
صورِ کون و مکاں، دفِ سروراں، نشیدِ بہار و سنجِ سخنوری،
چار بالشِ نازِ دلبراں
ہیں مرا عطیہ
یہ پوچھتے کیا ہو دہر کیا ہے؟

مرے عزیزو، عجب سوالات کر رہے ہو،
مری سرشت و نوشت و نقدِ حیات کا راز جاننا چاہتے ہو تم!
خوب ہے تجسس!
مگر یہ تنقیدِ پوست و پیکر!
یہ کسوت و صورتِ مقرر کا فرق سمجھاؤں
کیا بتاؤں
کہ میری کسوت ہی میری صورت ہے
میری صورت ہی میری کسوت ہے
اور پھر میں بشر نہیں ہوں کہ خود کو خود سے چھپاؤں
تنہائیوں میں گھٹ گھٹ کے جان دے دوں،
ستم سہوں اور مسکراؤں
مشاہدہ، نسبت و تقابل، مقابلہ ہیچ محض بازی
مگر بتاؤں کہ دہر کیا ہے؟
یہ میرے دریا کی لہر کیا ہے؟
یہ دہر ہے آفریدۂ نیمۂ تجلی
حرارتِ نیمۂ نفس
اپنی ذات میں ہر طرح مکمل
یہ ماضی و حال و عہدِ آئندہ کا شہنشہ ہے
جس کی آواز پر تمہاری زمین

دن رات ایک لٹو کی طرح رہ رہ کے گھومتی ہے
یہ جس کے ایمائے پا سے چلتے ہیں چاکِ ہفت آسماں
یہی دہر ہے
زمانِ گذشتہ و حال و عہدِ آئندہ کی عنانیں اسی کے ہاتھوں میں رہتی ہیں
میں بھی ان زمانوں سے گو عبارت ہوں
پھر بھی ان سے ورا ہوں
مجھ میں کئی زمانے ہیں
جو گراں مائیگی ماضی و عظمتِ حال و تاب و تمکینِ عہدِ آئندہ سے جُدا ہیں
کہ یہ زمانے مری نظر میں ہیں نیم لمحہ
مرے زمانوں کا ان زمانوں سے واسطہ ہے بھی اور نہیں بھی
نہ میں گزرگاہِ حادثاتِ جہاں
نہ مجھ پر اثر تف و تابِ انقلابات کا
نہ آنات کا اکھاڑا!
مرے عزیزو یہ جان لو
حادثات و آنات رفتہ و حال و بطنِ آئندہ سے ابھرتی ہیں
خود سے ٹکرا کے ٹوٹتی گونجتی ہیں
اور میں جو فکرِ کامل ہوں وقتِ مطلق ہوں
بڑھ کے چپ چاپ ہر آنا کے جوان سینے کی دھڑکنوں کو سمیٹ لیتا ہوں
کانپتی وسعتوں کی انگڑائیاں

لرزتی ہوئی کمانوں کی بے تحاشہ تواں تواں
بیکراں خلاؤں کی ہر شکن
آتشیں سنانوں کے خار
چاروں طرف لپکتے ہوئے وہ تیرِ شہاب
رہ رہ کے تھام لیتا ہوں
کوئی حیرت نہ کوئی حسرت
کوئی تمنا نہ کوئی نفرت
مگر بہ ہنگامِ فکر، ایوانِ ذات کے غرفۂ معلّےٰ سے جھانکتا ہوں
یہ میرے ذہنِ رسا کا غرفہ!
کہ جس سے عمرِ رواں کے ایک ایک لمحۂ تیز رَو کا ہر کھیل دیکھتا ہوں
غمِ جہان وجہانیاں کیا!
یہ رات میری طرح زمانوں کی دسترس سے بلند و بالا
یہ میری ہستی کی ایک شب ہے
یہ رات ماضی کی رات ہے اور نہ حال کی رات
میرے خالق نے
عہدِ آئندہ کی تو شب کی نہیں ہے پیدا
یہ رات جس کے طویل پَر اب سمٹ رہے ہیں
یہ میری شب ہے۔ یہ میری ہستی کی جاوداں شب
یہ دولتِ نقدِ آگہی جو بکھر گئی ہے سمیٹنے دو

مجھے بیاضِ حیات کا یہ ورق ذرا دیکھنے تو دو، میرے مہربانو
مگر نہیں، تم مجھے یہ کرنے نہ دوگے، آخر بتاؤ کیا چاہتے ہو، کیا مانگتے ہو؟
سمجھا!!
تمہیں دکھاؤں میں چند سانسوں کا کھیل
بازیٔ تلوّنِ شب و روز
اپنے عالم کی سلسلہ وار منزلیں
شورش و تماشائے شوقِ مرداں
تو پھر اسی رات کے افق سے جو میری آنکھوں کے سامنے ہے
میں جس کے زینے سے دیکھتا ہوں بُود و نبودِ جہاں جہاں
آؤ آؤ، دیکھو،
اِسی افق کے بلند زینے سے تم بھی دیکھو
یہ ایک شاہینِ چرخ پیما
اسی کی پرواز کا تعاقب کرو
اسے دیکھتے رہو۔
اب تمہاری دنیا کی رات ہے جس کی ڈوریوں میں اُلجھ گیا ہے
ہوائے شبگیر سے تار و پودِ شب جہاں کپکپا رہا ہے
حصارِ ظلمت میں ایک کہرام سا بپا ہے
وہ برج و بارہ پہ ننھے تاروں کے دیپ جل جل کے بجھ گئے ہیں
وہ خوف سے پڑ گیا ہے چہرہ سفید شب کا

یہ ضربِ پنجہ کہ پھٹ گیا آسمان کا سینہ
اور اب اناطولیہ کی یخ بستہ وادیوں پر
قطار اندر قطار پھیلے ہوئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر
وہ تیرتا پھر رہا ہے، منڈلا رہا ہے، لیکن
وہ ایک نقطے کی طرح لوحِ افق پہ اب تو سمٹ رہا ہے
سمٹ کے نیچے اتر گیا، قوسِ کوہساراں میں کھو گیا ہے
یہ برف پروردہ سرد ویرانیاں کہ جن میں
صنوبروں کے سیاہ سائے لٹک رہے ہیں
اُداس روحوں کے غول جن میں بھٹک رہے ہیں
یہ دانۂ رزق سے تہی گھاٹیاں
یہ محرومِ جاں خرابے
مہیب ننگی سیہ چٹانیں
چٹانیں جن پر ہزار ہا خوں گرفتہ تاتاریوں کے لاشے کھڑے ہوئے ہیں
یہ مر کے بھی موت کے مقابل

ترکی

قریب کی جھاڑیوں سے
اک بھیڑیا غضبناک و زخم خوردہ
نعش کے لاشوں کے درمیاں آ کھڑا ہوا
اک چٹان پہ چڑھ کے چیختا ہے
سنو کہ رہ رہ کے چیختا ہے

یہ تُرکی ہے مردانِ جرّار کی سرزمیں، جانثاروں کی مسرور دنیا
سجیلے سواروں، ستارہ شکاروں، جواں گلعذاروں کی مخمور دنیا
فلک بوس قلعوں، جنوں خیز محلوں، مسلسل حصاروں کی مغرور دنیا
ہری وادیوں، انجمیں گھاٹیوں، سیمگوں کوہساروں کی پُر نور دنیا

یہ ترکی ہے گردشِ گردِ وقت کا ہم زباں، رازدارِ حیاتِ بشر ہے
یہ جس کے تمدن کی آواز جس کے ہنر کی صدہ افسانہ ساز گر ہے
تباہی کے سیلِ بلاخیز پر خندہ زن ہے ادا وات روز ازل سے
ہمیشہ جوانانِ تاتار اٹھے ہیں پنجہ ملانے کو دیوِ اجل سے

ترکی

عذابِ الٰہی کی زد میں خدائی، تباہی کے دن اور مصیبت کی راتیں
پیمبر کے حرفِ دعا سے پگھلتی ہوئی پربتوں کی ہزاروں قناتیں
وہ سیلِ بلا خیز کی تند موجوں پہ بہتا ہوا اک نرالا سفینہ
گناہوں کی تاریکیوں میں چمکتا ہوا خاتمِ ایزدی کا نگینہ

یہی سرزمیں ہے جہاں حضرتِ نوحؑ کے جانثاروں کو تقدیر لائی
ارارات کے پاک سینے پہ ٹھہرے خدا کے پرستار، دیں کے فدائی
ارارات کی عظمتوں برکتوں کی یہ دنیائے نو ہے مقدس نشانی
اسی خطۂ پاک سے کارگاہِ جہاں کا اٹھایا گیا نقشِ ثانی

کسی نے جو اس کوہسارِ مقدس کے ماتھے کی ان سلوٹوں کو ٹٹولا
کسی ہاتھ نے بابِ جودی پہ خاموشیوں کا لٹکتا ہوا قفل کھولا
کسی نے جو قرآن و انجیل کے تذکروں کو پڑھا، لفظ و معنی کو تولا
یا پھر وقت کی بارگاہِ معلّٰے میں اے ہمدمو، خود ارارات بولا

سنو گے حکایاتِ آغازِ عالم سنو گے نئی زندگی کے فسانے
یقیں ہے کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے آثارِ ایمانیاں کے خزانے
ارارات جس کے مفافات کی بات حسنِ کلام و فسونِ فسانہ
یہ روشندلانِ زمانہ کی دنیا یہ دُردِ سے نو نئی قوم کا آستانہ

ترکی

گذارش گر بزم اچھی طرح جانتا ہے امارات کی حکمرانی
یہی تاجور، عظمتِ ایشیا کی ہمیشہ ہی کرتا رہا پاسبانی
ازل کے سنگھاسن پہ تکیہ لگائے ابد کی طرف پاک آنکھیں اٹھائے
ورق در ورق جس کے ماتھے کی لہریں، افق تا افق جس کی پلکوں کے سائے

یہ تہذیبِ انسان کا راوی ہے یہ جس کی سرگوشیوں پہ ہیں قرباں ترانے
کئی انقلابوں کو پالا ہے جس نے، ہیں ٹھوکر میں جس کی ہزاروں زمانے
شہِ ذی حشم جس کے پیراہنِ نور کی آستینوں میں سو داستانیں
وہ ہاتھوں میں جس کے ہمیشہ رہی ہیں سمندِ حیاتِ ابد کی عنانیں

اسی طاس کے دامنِ گلفشاں میں تھی پریام کی زرنشاں راجدہانی
صحیفہ نگارانِ عالم سے پوچھو جو دیکھا ہو اس کا زمانے میں ثانی
وہ شہرِ طرب وہ جہانِ کرم سرنگوں جس کی چوکھٹ پہ اپنے پرائے
وہ دارالحکومت کہ دیتے ہیں درسِ وفا جس کے برباد محلوں کے سائے

اپالو نے راتوں کی تاریک تنہائیوں میں یہاں کی فصیلیں اٹھائیں
ہنرمند پوزیڈیاں نے اسی دارِ دانا میں زرتاد گاہیں بنائیں
نظر آئیں یوں خوش نگاہانِ عالم کو الیام کی شش عروسانِ زیبا
کہ جیسے جواں بخت شہزادیاں شہ نشینوں سے کرتی ہوں کوئی نظارہ

سلامنیرو کورنتھ و ایتھنز و مقدونیہ کے سفینے شب و روز آتے
وہ آتے ہی محصول دیتے، اجازت کا پروانہ پاتے ہی لنگر اٹھاتے
تجارت کی راہیں برابر کھلی تھیں کسی قوم کو تھی نہ کوئی مناہی
ٹرائے کے اخلاق و کردار پر دے رہا ہے چناک[1] آج بھی یہ گواہی

یہی سرزمیں ہے جہاں پر گلِ گیتی آرائے یونانیاں مسکرایا
یہی وہ ریاضِ ارم ہے جہاں سروِ گلزارِ قدوسیاں لہلہایا
یہی وہ حرم ہے زنیس اور لیڈا کی بیٹی کو دل جس جگہ کھینچ لایا
وہ حسنِ سخن سنج، تجانۂ شاعری جس کے انوار سے جگمگایا

یہی باغ ہیں جن کی آغوشِ رنگیں میں رہ رہ کے ہیلن نے جادو جگائے
یہی کنج گلپوش ہیں جن میں ہیلن کے نایاب ہونٹوں نے بوسے لٹائے
اسی فرشِ سبزہ پہ اکثر کمانِ قفا کے سرے ٹوٹ کر مل گئے ہیں
بدن میں بدن گھل گیا ہے کچھ ایسے کہ ایمان والوں کے دل ہل گئے ہیں

یہی راستے عشق و رومان کی سرمدی وادیوں کی طرف رہنما ہیں
یہ اہلِ وفا کے نقوشِ کفِ پا۔ زبانِ بقا، بے نیازِ فنا ہیں
یہ نقشِ کفِ پا یہ حسنِ رقم کے انوکھے نمونے سرِ لوحِ دوراں
و بیرازل کا غرورِ کتابت بھی ہے جن کے آگے پشیماں

[1] ترکی زبان میں درہ دانیال کو کہتے ہیں

مگر اب کہاں تک سنو گے محبو یہ بیتے دنوں کی پرانی کہانی
سمجھ لو کہ پھر وقت نے بخش دی غازیانِ جگر دار کو حکمرانی
یہ عثمانیانِ شگفتہ جبیں، نیک چہرہ، یہ توحید کے نام لیوا
جوانانِ جنگ آزمودہ یہ مردانِ عالی گہر، یہ اخوت کے شیدا

یہ ترکی ہے مردانِ سرزور و آزاد کی سرزمیں عرشِ ہستی کا تارا
یہ شاہیں جگر ترک زادوں خجستہ نہادوں کی تہذیب کا گاہوارا
یہ جولاں گہہِ اہلِ دل یہ جوانانِ تازہ رس دنوسن وسال دیکھو
مزا میر و میداں کی جانب نگاہیں اٹھاؤ یہ ایوانِ اقبال دیکھو

یہ عثمان خاں کا پسر اور خاں ہے، عجب حکمراں ہے بڑا مہرباں ہے
یہ وہ جس کی فطرت میں ہے ملک داری بہادر جیالا، نڈر نوجواں ہے
وہ سلطان جس کی نئی فوج کا رعب شاہانِ اقصائے عالم پہ طاری
وہ ینی چری، انکشاری کہ ہر جنگ میں جن کی ہمت کا پلا ہے بھاری

یہ شیرانِ پولاد خائے، زن و زندگی سے یہ بے گانہ بانکے سپاہی
قدم بر قدم گردنانِ دلاور، امیرانِ عالی، انیسانِ شاہی
یہ مہتابِ رُو بند یہ خوش خرامانِ محفل یہ گاتی ہوئی مہ لقائیں
یہ حمام یہ گلکدے یہ سرائیں، حسین آبراہیں مہکتی فضائیں

ترکی

زدا غارِ گردوں کی جانب ابھرتے ہوئے مسجدوں کے یہ مینار دیکھو
یہی قونیم ہے یہی قونیہ ہے یہ کوچے یہ گلیاں یہ بازار دیکھو
مگر دیکھیے اب سریرِ حکومت یہ ہیں جلوہ فرما مرادِ معظّم
سپہدارِ کشور کُش و شہنشاہِ انجم سپاہ و امیرِ مکرّم

اللہ اللہ دورۂ امن و اماں — یہ جہانِ ترکمانِ شادماں
زیب اورنگِ حکومت ہیں مراد — بادشاہ ہے خوش نہاد و نیک زاد
ایڈریانوپل ہوا زیرِ نگیں — مرحبا عثمانیاں، صد آفریں
آفریں بر ہمتِ تیمور تاش — از نگاہش قلبِ دشمن پاش پاش
لالہ شاہیں نازشِ اسلامیاں — آبروئے لشکرِ ایمانیاں
زیرِ پا ہیں کشورِ خرم معاش — بادشاہِ سرویا کی سرد لاش
طاسِ ترکی تشتِ سیمینِ قمر — زیرِ پرچم دشت و دریا، بحر و بر
قونیہ نزہت گہِ صد ارتباط — کشورِ لطف و کرم، عیش و نشاط
یہ بتانِ تنگ ترکاں، مہ لقا — مہوشانِ خوش نگاہ و خوش ادا
یہ خلوصِ اتصاف و دوستی — یہ نظرگاہِ وفا و عاشقی
شب نشینانِ جنوں پرور چلے — پیرو ترسا صورتِ لشکر چلے
دیکھنا وہ میکدوں کے در کھلے — ایک جام اور طبع کے جوہر کھلے
محوِ خدمت لولیانِ سفتہ گوش — ہر طرف ہر سمت اذنِ ناؤ نوش
پیشوائی کو بتانِ سیم ساق — محو بازی شاہدانِ چست و چاق

ترکی

رقص میں کوئی زن، چادر فگن
دشمنِ جاں کوئی ترکِ غمزہ زن

یک گرہ بستہ حسیناں زیرِ ناف
ہمتے ایدل کہ میدانست صاف

ایں گرہ جز پیچ، موش دگر بہ نیست
حاجتِ امدادِ فوج و شرط نیست

یک خراشِ ناخننت عقدہ کشا
ایں کلید البجر در دستِ شما

مرے دوستو ہمدمو صاحبو یاد ہوگا تمہیں یلدرم کا زمانہ
سمند اجل کی عنانیں اٹھائے، وہ برقِ جہاں سوز کا تازیانہ
بہ فرِ شہانہ بہ شانِ یگانہ بہ انداز و آرائشِ ترکمانہ
عدو جس کے آگے عناں تافتہ ہیں تو جاں باختہ عظمتِ کافرانہ

یہ جستہ رگانِ جسام جسارت ہنر جاں نثارانِ عہدِ عوامی
جوانانِ جنگ آزما۔ جنگجویانِ سرباز کے یہ جیوشِ گرامی
یہ آدم گری کے اسالیب سے آشنا، کارزاروں کے پالے ہوئے ہیں
یہ انساں کے پیکر ہیں گویا مشیت نے لوہے کے تہتیر ڈھالے ہوئے ہیں

یہ وہ ملک ہے جس کے جیدار بیٹے ازل سے ہیں ناآشنائے غلامی
انہی کاردانانِ دولت کے دربار میں اہلِ ہمت رہے ہیں سلامی
سپہدار و فرمانروا جن کی تیغوں کی چک چاک سے چیختی ہیں چٹانیں
یہ پردہ شکن بات کرنے لگیں جب تو کھلتی نہیں دشمنوں کی زبانیں

ترکی

سجیلے انیلے انوکھے مجاہد یہ دینِ محمدؐ کے بانکے سپاہی
یہ جن کی صدائے قدم سے لرزتے ہیں پاتال سے تا با پایانِ ماہی
پہاڑوں کے دل چیر ڈالیں، بپھرتے ہوئے قلزموں کی رگوں کو مروڑیں
چلیں بے خطر موت کی وادیوں میں، فصیلوں کے سنگین کلیجے نچوڑیں

یہی وہ جواں بخت ہیں جن کی پیشانیاں مہرِ اخلاق سے ہیں درخشاں
یہی خوش نظر ہیں محبت کے انوار سے جن کی آنکھیں ہمیشہ فروزاں
ہنر پروران وفا بھی یہی ہیں، جہانِ کرم کے یہی تاجور ہیں
یہی وہ جواں ہیں جو ناپاک سرگوشیوں کے بھنور میں بھی سینہ سپر ہیں

یہی ملک ہے جس نے کتنے ہی مغرور فرمانرواؤں کو نیچا دکھایا
کئی سرزمینوں کے سینے پہ اپنی حکومت کا پرنور پرچم اڑایا
وہ اقلیم جو اپنی تہذیب۔ اپنی زباں پہ ہو نازاں بخوبی سمجھ لے
کہ ان ترک زادوں کا اس کی ثقافت پہ اسکے تمدن پہ ابتک اثر ہے

یہی وہ جواں ہیں کہ یورپ میں جن سے ملی ہے مری قوم کو سرفرازی
زمانہ بھلانے پہ گرچہ تلا ہے کہیں بھول سکتی ہے وہ ترکتازی
یہ جن کے حسیں کارنامے ہیں تاریخِ اسلام کا ایک بابِ درخشاں
یہ آموزگارانِ آدابِ شاہی، زہے آلِ عثمان زہے میر و سلطاں

اُدھر دیکھیے باسفورس کے دامن میں آباد ہے ایک شہرِ مثالی
مگر دیکھنا رُومیوں کے مقابل میں یہ کون ہیں کون مردانِ عالی
الٰہی کہاں سے کہاں آگئے یہ انوکھے جگر دار، بانکے مسلماں
یہ سلطانِ فاتح کی فوجیں یہ منجوش و منجوق یہ لشکر و سازوساماں

سلطانِ فاتح: لشکرِ ملتِ بیضا کے جواں سالارو
عظمتِ دیں کے عَلم بردارو
دونوں جانب سے رہے شہر پہ حملہ جاری
ضرب پر ضرب لگاؤ کاری
سحر و شام کا ہر جور و ستم دیکھا ہے
ہم کہ ناکام رہے ہیں اب تک
روحِ ایوبؓ سے شرمندہ ہیں

ایک سالار: حضور دشمن کا ایک ایک قلعہ اپنی توپوں سے چھن چکا ہے
فصیل پر ہر طرف سے جاری ہے توپ خانے کی گولہ باری

سلطان: محاصرہ طول کھینچتا جا رہا ہے یہ کھیل ختم کر دو

دوسرا سالار: ہمارے چاروں طرف اجل کے حصار قائم ہیں
دشمنوں کے جہاز پھیلے ہوئے ہیں،
خندق جو پاٹ سکتے تو پھر کوئی بات ہی نہیں تھی

سلطان: سرنگیں بچھاؤ سرنگیں نکالو

ترکی

فصیلوں کے سنگیں جگر چیر ڈالو

پہلا سردار: زمین پتھریلی ہے سرنگیں نہ بچھ سکیں گی شہِ معظّم

دوسرا سالار: کمک کا بیڑا ابھی آ کے دشمن سے مل چکا ہے

سلطان: ہمارے جانباز؟

دوسرا سالار: جان پر کھیل کر لڑے
تند خو عقابوں کی طرح جھپٹے
گرجتی توپوں کے منہ میں کودے
دہاڑتی گولیوں پہ بجلی کی طرح لپکے
اگر وہ بیڑا نہ ہاتھ آیا

سلطان: یہ کوئی بات نہیں
جنگ میں فتح و ہزیمت تو ہوا کرتی ہے
ہم اگر فتح نہ کر پائے جو قسطنطنیہ
اور نہ جانے کے لائق نہ رہینگے لیکن
ہم بتائیں گے تمہیں صبح کو تجویز کوئی
غازیو کچھ بھی نہ اندیشہ کرو
جاؤ آرام کرو........

رات کا پچھلا پہر تھا کہ نمازی جاگے
تھرتھرانے لگے کوہسار جو غازی جاگے
ایک ہی صف میں وہ سلطان و سپہ سربسجود
حمدِ باری وہ زبانوں پہ سلام اور درود

چہرہ پیرِ فلک خوف کے مارے فق تھا
قلعۂ شب کو جو دیکھا تو کلیجہ شق تھا
خسروِ نور کی یلغار سے رن کانپ اٹھا
نور کی فوجِ ظفر موج سے گھمن کانپ اُٹھا
تھام کر تیغِ شرر بار اٹھے شاہِ کبیر
گوش تا گوش شہنشاہ کی ابھری تقریر

سلطان فاتح

اے غازیو مجاہدو مرے جوان دلو
جنگل میں جو درخت ملے آج کاٹ دو
اک شاہراہ چاہتے ہیں صاف و خوب تر
یہ کام چند جیش کریں اور چند جیش
سارے درخت کاٹ کے میداں میں لائیں تو
اور ان کو چھیل چھال کے تختے بنائیں تو
ایسے کہ ان پہ آنکھ نہ اپنی ٹھہر سکے
لیکن یہ کام جلد ہو، شاباش مرحبا

آوازیں

ظلِ الٰہی زندہ باد
سلطنتِ ترکانِ کبیر
پائندہ تابندہ باد
دائم قائم زندہ باد..........

شہنشاہ کے غازیوں نے وہ جنگل کا جنگل بڑے عزم سے کاٹ ڈالا
گڑھوں گھاٹیوں کھائیوں کو بھر اٹیکروں کو مٹا یا تو رستہ نکالا
درختوں کو تختوں میں ڈھالا، تراشا نئے مسِقنوں سے مصفا بنایا
شب و روز چربی لگائی اور اک شام تختوں کو رستے پہ جا کر بچھایا

جہازوں کو پہیوں کے اوپر چڑھا کر کلوں کی مدد سے جواں کھینچ لائے
چٹانوں کے سینے چٹخنے لگے منزل چرخ کے چونترے چرچرائے
رہ چرب و چوبیں کے دونوں طرف جھلملاتی ہوئی مشعلوں کو چھپائے
ستاروں کے سائے میں ان حق پرستوں نے خشکی پہ اپنے سفینے چلائے

بڑھے سینۂ دشت پر گونجتے گجگجاتے گرجتے ہوئے توپ خانے
اٹھائے ہوئے سینکڑوں منجنیقیں طرادے خرافے لگے گڑگڑانے
چلے شوکتی ظلمتوں میں شرر بار شعلہ فشاں شعلہ آواز شونے
اٹھائے ہوئے کشکنا جیر و منجوش و آلاتِ جنگی کے صدہا نمونے

اُدھر پَو پھٹی اس طرف شاہِ ذی جاہ نے اپنا بیڑا سمندر میں ڈالا
عدو کے جہازوں کو نرغے میں لے کر شرر بار توپوں کو آگے نکالا
ہزاروں سفینوں کی زنجیر میں ایک جنبش ہوئی آسماں کپکپائے
وہ گولے دنا دن برسنے لگے جنگ جاری ہوئی دو جہاں تھرتھرائے

ترکی

جان پر کھیل کے مردانِ جگر دار لڑے
روند کر سارے جہازوں کو وہ جرار بڑھے
آگ اور خون کے بہنے لگے دریا ہر سو
آنِ واحد میں قیامت ہوئی برپا ہر سو
میمنہ توڑ کے وہ میسرے پر چڑھ دوڑے
بحرِ خوں میں کبھی ڈوبے کبھی ابھرے گھوڑے

قسطنطین اعظم

صلیبیو! بہادرو!
سپاہیو! دلاورو
بڑھو بڑھو بڑھو بڑھو
عدو کو آج بھون دو
وطن کی سرزمین کو
عدو کا سرخ خون دو
صلیبیو! بہادرو

ایک مسلمان سالار

مجاہدانِ صف شکن
دلاورانِ تیغ زن
بڑھے چلو بڑھے چلو
فصیل پر چڑھو چڑھو
بڑھو بڑھو اُڑو اُڑو

ترکی

قسطنطین اعظم

صلیبیو کدھر گئے
یہ کیا کہ تم بکھر گئے
نہیں نہیں کہ ڈر گئے
سنو کہ روزِ جنگ ہے
یہ روزِ نام وننگ ہے
قدم قدم پہ ٹوک دو
عدو کو بڑھ کے روک دو
صلیبیو، دلاورو

دوسرا مسلمان سالار

اے ترکمانِ جنگ جو
خدا کرے گا سرخرو
وہ بھاگنے لگے عدو
صلیبیان حیلہ جو
فصیل پر چڑھو چڑھو
علَم اُٹھاؤ، گاڑ دو

قسطنطینِ اعظم

صلیبیو دشمن کو روکو
فصیل کے آس پاس ٹوکو
بہادرو بھاگنا نہیں ہے
وطن کے محبوب نوجوانو
صلیبِ اقدس کے پاسبانو

ترکی

تمہاری ہمت پہ آفریں ہے
عدو میں اب جان بھی نہیں ہے
عدو کو روکو
عدو کو ٹوکو
صلیب اقدس کے پاسبانو
مرے دلیرو مرے جوانو

پہلا مسلمان سالار

فصیل کا پھٹ چلا ہے سینہ
مجاہدو لاؤ کوئی زینہ
عدو کو آنے لگا پسینہ
فصیل کا پھٹ چلا ہے سینہ

قسطنطین اعظم

تم وفادار ہو، بے مثل ہو، لاثانی ہو
تم کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ یونانی ہو
ترکمان آج نہ بڑھنے پائیں
شہرِ بالا پہ نہ چڑھنے پائیں
پاؤں ترکوں کے نہ جمنے پائیں
سنگ باری کرو پتھر پھینکو
آگ برساؤ برابر پھینکو

سلطان فاتح

سنگ باری کی نہ پروا کرو زینے لاؤ
حکم دیتے ہیں کہ دیوار پہ چڑھتے جاؤ

ترکی

ترکماں توغ و علم لہراؤ

ترکماں توغ و علم لہراؤ ......

آوازیں — حسن چڑھ گیا وہ رہا وہ رہا

آوازیں — وہ جھکا وہ گرا وہ اٹھا وہ بڑھا

آوازیں — توغ لہرا دیا توغ لہرا اٹھا

آوازیں — مرحبا، آفریں اے حسن مرحبا

ایک سالار — فصیل شہر پہ لہرا رہا ہے پرچم دیں

دوسرا سالار — زہے یہ روز مبارک زہے یہ فتح مبیں

سلطان فاتح — فتح استنبول سے ہم شاد ہیں

غازیو جشنِ طرب برپا کرو

رقص کے ساماں کرو

یہ ترکی ہے جس کے جوانوں نے عالم پہ اپنی شجاعت کا سکہ جمایا
شہنشاہِ دنیا و دیں کا جو ارشاد والا تھا اس پر عمل کر دکھایا
حدیثِ رسالت پناہ ان کے ہاتھوں جو پوری ہوئی اہلِ دیں جھوم اُٹھے
فرشتوں کی پیشانیاں کھل اٹھیں، ساکنانِ سپہرِ بریں جھوم اُٹھے

نئے شہر کی وسعتوں میں ابھرتا ہوا ترکمانوں کا رنگیں پھریرا
کراں تا کراں لہلہاتا ہوا ایک نادیدہ و ناشنیدہ سویرا
اسیروں کو بندِ ستم سے چھڑایا ہوسناک ہاتھوں سے بخشی رہائی
غریبوں کو جینے کا فرمان بخشا نئی برکتوں کی سحر مسکرائی

ترکی

سمندر کے نیلے کناروں پہ روشن مناروں کی یہ سرزمینِ گرامی
سلامِ سلامت رساں کی صدائیں یہ انساں یہ امن و اماں کے پیامی
یہ تہذیب کے راز دارانِ والا نظر یہ جواہر طرازانِ عالی
یہ مردانِ والا گہر کی حسیں بارگاہیں یہ اربابِ فضل و معالی

یہی وادیٔ صاحبانِ خبر ہے یہی کشورِ پاک اہلِ نظر ہے
یہی مامنِ اہلِ دل ہے یہی کعبۂ شوق ہے قبلۂ چشمِ تر ہے
یہ ترکانِ غارتگراں یہ غزالانِ وحشی یہ سرمایہ دارِ بہاراں
یہ انبوہِ خوباں یہ سیلِ نگاراں ہجومِ ہزاراں، ستارہ شکاراں

یہ سودائیانِ ستارہ جبیں یہ سمینہ بدن یہ سوادِ جوانی
حنائے سرِ ناخنِ یار کا رنگ، پختہ ارادوں کی پہلی نشانی
نواحی نشینانِ خوش حال کی ٹولیاں یہ تمنا وَر دلوں کے ترانے
یہ راتوں کے دامن میں لٹتے ہوئے گیسوئے یار کی نکہتوں کے خزانے

چناروں بہاروں بہکتے ہوئے مرغزاروں کی یہ جنتِ ارغوانی
ستارہ سپر نازنینیں تہِ سایۂ تاک مصروفِ رنگیں بیانی
نقابوں سے چھن چھن کے آتی ہوئی تمتماتے ہوئے عارضوں کی ضیائیں
دلوں کے اندھیرے میں کس خامشی سے اترتی ہیں تازہ لبوں کی شعاعیں

یہی مرشد رومؒ کا دیس ہے، قونیہ آج بھی اہلِ دل کی ہے بستی
وہ بستی کہ جس پر ہے رحمت برستی وہ بستی کہ ہے مکتبِ ذوق و مستی
اسی شہر کے رہنے والوں نے دیکھی خرد اور جنوں کی نرالی لڑائی
وہ اک عالمِ دیں کے مدِ مقابل ہے درویش، حیرت میں ساری خدائی

(مسجد قونیہ میں مولائے روم درس دے رہے ہیں)

ایک لڑکا	لَقَدْ ضَاعَ شِعرِی عِلیٰ بابکم کما ضَاعَ عقدٌ عِلیٰ خالصہ
مرشد روم	ھٰذا شعرٌ قُلعَتِ عَینَاہُ فابصہ
دوسرا لڑکا	جناب وہ کون شخص بیٹھا ہے؟
تیسرا لڑکا	اخوند عالی! مجھے تو ڈر لگ رہا ہے اُس سے
مرشد روم	عزیزو یہاں کوئی بھی تو نہیں ہے
چوتھا لڑکا	جناب تالاب کی طرف دیکھئے نا!
مرشد روم	یہ کوئی مفت خورہ چپڑ قناتی ملنگ گدا ہے
پانچواں لڑکا	ایسا فقیر شہر میں دیکھا نہیں کبھی
مرشد روم	نہ جانے بدبخت کس طرف سے ٹپک پڑا ہے
چھٹا لڑکا	شکل دیکھی آپ نے
مرشد روم	لَاحَولَ وَلاقوۃَ اِلاّ باِللہ
پہلا	ہماری جانب وہ تک رہا ہے
دوسرا	مجھے تو ڈر لگ رہا ہے اس سے اخوند عالی!

ترکی

پانچواں	نہ جانے وہ مچھلیوں کو کیا چیز دے رہا ہے
چوتھا	کہیں یہ انگور تو نہیں میرے دوستو
چھٹا	یار شاخِ خرما ہے
مرشد روم	میرے بچو یہ شاخِ خرما نہیں یہ انگور بھی نہیں
	یہ تو صاف بادام ہیں مگر دیکھتا ہوں بادام بھی نہیں
	نارجیل کے پارہ ہائے نمکیں، ذرا سے شیریں
تیسرا لڑکا	الائچی دانے کھلا رہا ہے
چھٹا	جناب یہ روٹیوں کے ٹکڑے ہیں۔
مرشد روم	موتیوں کے چمکتے دانے،
دوسرا لڑکا	الائچی دانے
مرشد روم	پڑھو پڑھو بیٹھ کر پڑھو
چوتھا لڑکا	یہ فقیر
مرشد روم	تم کس لئے ڈرے جا رہے ہو، جاؤ یہ خود بخود بیٹھ کر چلا جائے گا
پانچواں	یہ تو کچھ لے کے ہی اٹھے گا جناب
مرشد روم	لاؤ۔ دو مجھ کو کتاب
چھٹا	آدمی خوب نظر آتا ہے درویش مجھے
تیسرا	کیا بتائیگی بھلا فکر کم و بیش تجھے
مرشد روم	یہ ہوا میں کیا اڑاتا ہے فقیر
لڑکے	دیکھتا ہے، مسکراتا ہے فقیر

ترکی

مرشد روم	یہ کہاں سے آ گئی ہے کہکشاں
لڑکے	یہ تو ہے سرکار دو دو پیچواں
مرشد روم	پیچواں مسجد میں کیا بکواس ہے
	وہم ہے سب کچھ حرا وسواس ہے
	لاؤ تو دینا مجھے اپنی کتاب
	میرے بچو آؤ پڑھ لو ایک باب
دوسرا	میری ماں کہتی ہے یہ لوگ ولی ہوتے ہیں
مرشد روم (زہر خند کے ساتھ)	صاحب معرفت بسر جبلی ہوتے ہیں
چھٹا	سرخ آنکھیں جس طرح خون کبوتر الاماں
دوسرا	مجھ کو ان آنکھوں پہ انگاروں کا ہوتا ہے گماں
باقی لڑکے	الحفیظ والاماں
تیسرا لڑکا	جیب و داماں چاک چاک
پانچواں	فرق والا دیکھتے ہو خاک خاک
پہلا	بے نیاز این و آں، کون و مکاں
باقی لڑکے	الحفیظ والاماں
چوتھا	صاحب دل ہے کوئی درویش ہے
دوسرا	مست ہے مجذوب ہے دل ریش ہے
چھٹا	ترک تو ہرگز نظر آتا نہیں
پہلا	یہ عرب بھی تو نہیں ہے بالیقیں

ترکی

پانچواں	یہ کوئی اہل عجم سے ہو نہ ہو
پہلا	رازدارانِ حرم سے ہو نہ ہو
مرشد روم	احمقو تڑتڑ لگا رکھی ہے کیا
	یہ کہاں کا باصفا و باخدا
چھٹا	لال آنکھوں سے نکلتے ہوئے شعلے دیکھو
	جیسے ان شعلوں کی زد میں ہو جہاں
چوتھا	اُس کی پیشانیٔ پُرنور بھی دیکھی تم نے
مرشد روم	حشیش پی کر حسین صورت بگاڑلی ہے
	خدائے برتر کے سامنے کیا جواب دے گا
	خدا اگر شکل دے تو ہے احترام لازم
	ہے اچھی صورت کے واسطے اہتمام لازم
	وگرنہ یہ تو خدا کا دل توڑنا ہوا
پانچواں لڑکا	کچھ بھی ہو یہ درویش خوبصورت ہے
	دلگرفتہ ضرور ہے
	اس کی پاک آنکھوں میں نور ہے
مرشد روم	نور وُور کچھ بھی نہیں مری جاں حشیش کا یہ فتور ہے
چند لڑکے	دیکھے وہ درویش ہنس رہا ہے
کچھ اور لڑکے	ہماری باتوں کو سُن لیا ہے
مرشد روم	ایک ساعت کے لئے چھٹی کرد گھر جاؤ

ترکی

درس کے بعد کئی اور بھی باتیں ہونگی

ان کتابوں کو یہیں رہنے دو

ناصرالدین!

ناصرالدین — جناب

مرشد روم — گم نہ ہو کوئی کتاب ....

(وقفہ)

فقیر — ناصرالدین

ناصرالدین — ہمارے آقا

ف — آدمی خوب نظر آتے ہو

ن — آپ ملّا کی نہ باتوں کا اثر لیں آقا

ف — آدمی نیک نظر آتے ہو

ن — جناب اس مولوی سے جاں ضیق میں ہے

فتووں سے ناک میں دم ہے

کوئی بھی روکتا نہیں

سارا شہر ڈرتا ہے میرے آقا،

پری تفل چاق شنگ سے جھینپتا نہیں

یہ بُری بلا ہے، عجیب شے ہے

ف — خدا سے ڈرتا تو ہوگا شاید

ن — یہ مولوی گر خدا سے ڈرتے تو بات کیا تھی

ترکی

کتابیں پڑھ پڑھ کے عقل ماری گئی ہے ان کی

ن کتابیں تم بھی تو پڑھ رہے ہو

ن جناب یہ مار پیٹ کا خوف ہے وگرنہ

یہ جی میں آتا ہے جوگ لے لوں

فقیر بن کر پھروں، خدا کی خدائی دیکھوں

ن تو مولوی سے ڈرے ہوئے ہو

ن مجھے فقیروں سے عشق ہے، اولیا سے میری عقیدتیں اہلِ قونیہ خوب جانتے ہیں

ن یہ بات ہم مانتے ہیں لیکن یہ عشق تیرا عجیب سا ہے

ن غلام سمجھا نہیں ہے آقا!

ن سنا ہے تم حورِ قونیہ پر فدا ہو

ن سرکار!

ن آغا احمد کی لاڈلی، خوبرو زلیخا کو چاہتے ہو

ن جناب تو مردِ باخدا ہیں

ن ہمیں تمہاری محبتوں کا پتا ہے بیٹے

ن غلام رحم و کرم کا طالب ہے میرے آقا

ن کہو زلیخا کی بات کا اعتبار آیا؟

ن حضور ہر بات جانتے ہیں!

ن سناؤ کل رات بھی لڑے تھے

پھر اس کے پاؤں پہ گر پڑے تھے

ن جناب،

ف ہم پاس ہی کھڑے تھے

ن حضور یہ حور اس خطا کار کو عطا ہو

ف تمہیں زلیخا ملے گی آغا کو لوٹ آنے دو جان جاناں

ن جناب آغا تو مر چکا ہے

ف غلط سنا ہے

زلیخا تم سے ملے تو کہنا کہ آغا زندہ ہے

چار چھ روز میں پہنچ جائے گا یہاں

ن آپ میرے ہمراہ ابھی چلیں

اس غریب کو یہ نوید بخشیں

مبارکیں لیں، مبارکیں دیں

ف ابھی نہیں پھر کبھی چلینگے

مگر وہ کیا ہے؟

وہ ڈھیر کیسے لگے پڑے ہیں

ن حضور وہ علم کے خزانے ہیں، دین و دنیا کی ان میں باتیں ہیں، وہ کتابیں

ہیں عالموں فاضلوں کی لکھی ہوئی کتابیں

ف اٹھو کتابیں سمیٹ لاؤ

ن حضور کیا کیجیے گا ان کا

ت اٹھو کتابیں اٹھا کے لاؤ

ن حضور بیکار سی کتابیں ہیں

ت بحث چھوڑو، سمیٹ لاؤ

ن جناب

ت ورنہ حسین زلیخا نہیں ملے گی

ن مجھے زلیخا نہیں ملے گی!

ت تمہیں کتابیں عزیز ہیں یا حسین زلیخا

یہ فیصلہ پہلے کرلو، پھر کوئی بات ہوگی

ن مجھے زلیخا نہیں ملے گی!

ت کتابیں جاکر سمیٹ لاؤ تو پھر زلیخا تمہیں کو دیں گے

ن حضور ساری کتابیں لاتا ہوں، ایک پل میں سمیٹ لاتا ہوں، دیکھتے جائیں آپ

ت شاباش جانِ جاناں

تمہیں زلیخا سے عشق ہے

حورِ قونیہ ہم تجھی کو دیں گے

مگر ذرا جلد جانِ جاناں

(وقفہ)

ن کتابیں حاضر ہیں دیکھ لیجئے

ت مگر انہیں پھاڑ پھاڑ کر غرقِ آب کردو

یہ تال بھردو

ترکی

ن حضور یہ قیمتی کتابیں ہیں

ف بحث چھوڑو
تمہیں زلیخا کی آرزو ہے یا ان کتابوں کا شوق ہے
سوچ لو عزیزم

ن مجھے زلیخا کی آرزو ہے

ف تو ان کتابوں کو پھاڑ کر پھینک دو
انہیں غرقِ آب کر دو

ن ابھی میں تعمیلِ حکم کرتا ہوں میرے آقا

ف تجھی کو دیں گے حسیں زلیخا

ن حضور اک بات تو بتائیں

ف کہو نا جانم!

ن وہ لوگ مغرور ہیں مگر میں فقیر ہوں

ف کوئی آج کے بعد تجھ سے پوچھے تو صاف کہنا
کہ میں امیر کبیر ہوں
صاحب سپاہ و سریر ہوں
جاؤ بھاگ جاؤ
وہ ہم سبق آ رہے ہیں

ن سرکار آپ حمام کی طرف سے کہیں نکل جائیں
یہ مرے پاس ایک دینار ہے یہ نذرِ غریب

ترکی

ن — ہم نے قبول کرلی ....

وقفہ

مرشد روم — ناصرالدین
جناب
کہو کوئی آیا گیا تو نہیں تھا

ن — نہیں میرے آقا

م روم — کوئی مسئلہ پوچھنے والا آیا ہو شاید

ن — نہیں قبلہ گاہی

لڑکے — جناب ساری کتابیں غائب ہیں

ن — ناصرالدین یہ کیا کہتے ہیں

لڑکے — ہماری ساری کتابیں غائب ہیں۔ ناصری نے چھپا رکھی ہیں

مرشد روم — ناصرالدین یہ کیا تم نے کیا ہے بیٹے
جاؤ اور ان کو کتابیں لادو

ن — حضور میں تو یہیں پہ سوتا رہا ہوں
ساری کتابیں اپنی جگہ پڑی تھیں

مرشد روم — یہاں تو اب خاک اڑ رہی ہے

ن — حضور ناچیز کیا کہے۔

لڑکے — ناصری کے بچے نے بیچ دی ہیں سبھی کتابیں
کباب وقہوہ کے شوق میں اس نے پار کردیں

مرشدِ روم — مگر یہ ایسا برا نہیں ہے

لڑکے — کیا ب و قہوہ کے شوق میں گول مال کر دیں

مرشدِ روم — بتاؤ تم کس دکان پہ بیچ آئے ہو کتابیں

ن — جناب - آقا - حضور

مرشدِ روم — بولو بتاؤ مجھ سے ڈرو نہیں
کیا ہوئیں کتابیں، کہاں گئے وہ سبھی صحیفے

ن — حضور، آقا، غریب پرور

مرشدِ روم — اگر کتابیں ہوں تیرے گھر پر
تو ہم وہاں سے اٹھا کے لاتے ہیں

ن — آپ ناحق مجھے ستاتے ہیں

مرشدِ روم — اچھا یہ بات ہے کمینے
تجھے سکھایا نہیں کسی نے
بتا کہاں کھو گئیں کتابیں،

ن — کتابیں تالاب پی گیا ہے

کچھ لڑکے — جناب یہ جھوٹ بک رہا ہے

کچھ اور لڑکے — فقیر کو دیکھتے ہوئے کس طرح ہنس رہا ہے

مرشدِ روم — بتا کتابیں کدھر گئیں
بول بول، چمڑی ادھیڑ دونگا

ن — وہ سامنے جو فقیر بیٹھا ہے اسنے ساری کتابیں چھین چھین کے پھاڑ دی ہیں

مرشد رومی — کہاں ہیں اوراق پارہ پارہ
ن — رہا وہ تالاب کا کنارا
مرشد رومی — یہ استعاروں میں بات کرتے ہو، صاف بتلاؤ بات کیا ہے
ن — حضور ساری کتابیں تالاب پی گیا ہے
لڑکے — فقیر کو دیکھئے تو مسرور و مطمئن ہے
ن — الہٰی یہ کیسا نیک دن ہے
(ایک طرف ہو کر) — مجھے زلیخا تو مل رہے گی
یہ مولوی بھی تو ایک جن ہے
کسی طرح اب ٹلے تو سر سے
مرشد رومی — الہٰی اب کیا بنے گا
اب کیا بنے گا میرا
مری کتابیں کہاں سے آئیں گی
ف — مولوی اب تو رو رہا ہے
مرشد رومی — مری کتابیں، وہ بے بہا قیمتی صحیفے
وہ حکمت و دانش و ادب، فلسفہ، ریاضی، نجوم و طب کے
عظیم و نایاب صحف، اب جنکے لکھنے والے بھی اس جہاں سے گذر چکے ہیں
کتابیں اب جن کے اور نسخے نہ مل سکیں گے
ف — مولوی نالہ کناں ہے شاید
مرشد رومی — مری کتابیں نہیں لٹیں

ترکی

آج قونیہ لٹ گیا ہے تُرکو

سزا دو اس مکروفن کے پُتلے کو

تازیانے لگاؤ تُرکو

لڑکے فقیر تو قہقہے لگانے پہ تل گیا ہے

مرشد روم کھال کھچوا کے نہ رکھدوں تو سہی

خرس کی طرح ہنسے جاتا ہے

(کچھ اور آدمی آتے ہیں) کیا ہوا خیر تو ہے مولانا

مرشد روم کاظمی دوڑ کے قینچی لانا

ف آپ تو بھپکر ہوئے ہیں شاید

مرشد روم کتابیں کیوں پھینکدی ہیں تالاب میں اٹھا کر

ف کروگے کیا اور پڑھ پڑھا کر

مرشد روم میں کھال کھچوا ہی لوں گا تیری

ف جناب ناراض ہو گئے ہیں

مرشد روم کتابیں جلدی سے کردو پیدا

ف بیکار سی کتابوں کو پڑھنے سے فائدہ

مرشد روم دنیا و دیں کا ان میں ہے ایک ایک مسئلہ

ف مسئلے یوں تو نہیں حل ہوتے

مرشد روم اور کس طرح وہ حل ہوتے ہیں

ف یہ تو مردانِ خدا سے پوچھو

ترکی

مرشد روم	ہم نے مردانِ خدا دیکھے ہیں
ن	پھر بھی یہ کور دماغی نہ گئی
مرشد روم	تو نے کیا بحث لگا رکھی ہے
	بول دیتا ہے کتابیں کہ نہیں
ن	وہ صحیفے تو سبھی غرق ہوئے
	اور اک دفترِ بے معنی میں رکھا گیا تھا
	جاؤ، ناحق نہ پریشان کرو
مرشد روم	دکھلا رہے ہو مجھ کو یہ نازک مزاجیاں
	جاؤ ندیم، صاحبِ شُرطہ کو لاؤ یاں
(مسجد کے باہر لوگ)	مسجدِ شہر میں ہنگامہ سا کیا برپا ہے
"	کوئی دیکھے تو یہ کیا غوغا ہے
"	مولوی پیچھے پڑا ہے کس کے
"	میں تو کہتا ہوں کہ خانم نے پچھاڑا ہوگا
"	آج ہنکار رہا ہے کیسے
"	آؤ نا چل کے تماشا دیکھیں
"	آؤ پھر سوچتے کیا ہو آؤ
ایک	بات کیا ہے مولانا کیا بات ہے؟
مرشد روم	پھینک دیں تالاب میں ساری کتابیں پھاڑ کر
ن	مولوی پیچھے پڑا ہے اب تو پنجے جھاڑ کر

مرشد روم — دوستو اس شخص کی سنتے ہو باتیں دوستو
لوگ — یہ کوئی مجذوبِ بے درویش ہے
مرشد روم — یہ بہانہ سازِ بیش از بیش ہے
ن — شاید کتابیں لے کے ہی چھوڑو گے میری جان
مرشد روم — ہاں۔

(—— تالاب میں ہاتھ ڈالتے ہیں)

ن — یہ لو رہی کتاب یہ لو اور اک کتاب
گن لو ورق کہ صحیفے ہیں لاجواب
مرشد روم (حیرت سے) — الفاظ اب تو اور بھی ان کے نکھر گئے
ڈوبے کچھ اس طرح کہ زیادہ ابھر گئے
لوگ — اللہ اللہ! اللہ اللہ!
" — سبحان اللہ! سبحان اللہ!
" — دیکھا دیکھا یارو دیکھا
" — کیا کہنے مردانِ خدا کے
" — کیا کہنے اس راہ نما کے
" — دیکھا فقیر مرد کا اعجاز دوستو
" — ہم پر کھلے تو کیسے کھلے راز دوستو
ہم لوگ اپنے وہم و خرد کا شکار ہیں
یہ لوگ اہلِ دیں یہ حرم کا وقار ہیں

لوگ صد حیف ہم پہ آبروئے حق نہ بن سکے
اس پر یہ لطف کافرِ مطلق نہ بن سکے

مرشدِ روم حیرت تو یہ ہے ایک بھی شوشہ نہیں مٹا
لیکن یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس طرح ہوا

ن یہ بھی ہے ایک علم ترے علم سے جدا
لیکن تری سمجھ میں نہ آئے گا مولانا

مرشد روم فرما رہے ہیں آپ یہ کیا میرے مہرباں

ن یہ علم تیری شان کے شایاں مگر کہاں

مرشدِ روم لِلّٰہ بخش دیجئے خطائیں غلام کی

ن یہ حد ہے مولانا ترے علمِ کلام کی

مرشد روم حضور ناچیز بے بصر ہے

ن مگر ترے قیمتی صحیفے،

مرشد روم فضول و بے فائدہ ہیں، بیکار و بارِ خاطر ہیں
پھاڑ کر پھینک دیں
یہ سب دفترِ شرارت ہے
شعلۂ حرف حرف و سوزِ سخن، طلسمِ خیال و معنی، گلوئے شیشہ میں ٹوٹتے نیم جاں شرارے
سراب ہیں سیمیا ہیں سحر و فسوں ہیں یہ سائبانِ افلاک پہ چمکتے ہوئے ستارے
یہ نطقِ شیریں، کلامِ رنگیں یہ نقش بر آب، خواب ہی خواب

ن تم یہ کہتے ہو تم

ترکی

مرشد روم — فیضِ انفاسِ الٰہی سے مرا گلشنِ جاں
آپ مہکائیں تو احساں ہوگا
یہ سیہ کار بھی انساں ہوگا
فائدہ علمِ حصولی سے نہ ہوگا نہ ہوا

ت — چاہیئے علمِ حضوری تم کو

مرشد روم — قبلہ و کعبۂ صاحب نظراں

ت — شمس تبریزؒ ہمیں کہتے ہیں

مرشد روم — یہ تو فرمائیں کہاں رہتے ہیں

ت — رند دریا ہیں سدا بہتے ہیں

مرشد روم — ختم ہے اب کلفتِ ایّام شوم
اٹھ چلا ہے پردۂ ماہ و نجوم

ت — ہم بنا دیں گے تمہیں مولائے روم

اور پھر درویش نے ڈالی نظر
دل کی دنیا ہو گئی زیر و زبر
عالمِ دیں بے نیازِ ہر ہنر
ہر گھڑی برکندہ جاں، افگندہ سر
بر دلِ خستہ ہمہ اسباب شاق
الفراق و الفراق و الفراق
بشنو از نے چوں حکایت مے کند
وز جدائی ہا شکایت مے کند

یہ ترکی ہے جس کی فضاؤں ہواؤں میں شیریں نواؤں کے نغمے رواں ہیں
یہیں مرشدِ رومؒ کا آستاں ہے یہیں سر جھکائے ہوئے آسماں ہیں
بتانِ خجستہ قدم کی طرح مارمورا کی پرنور لہریں رواں ہیں
ارارات کی بخششیں بیکراں، باسفورس کی یہ بستیاں جاوداں ہیں

یہ شمشاد قامت حسینائیں، دوشیزگانِ طلسمات یہ مہ لقائیں
کنشت و کلیسا کی تقدیس آنکھوں میں یہ زلف در زلف کالی گھٹائیں
وہ خانہ بر انداز آرامِ خاطر پری چہرہ پنہاریوں کی ادائیں
یہ لانبے لبادوں کے پھیلے ہوئے مرغزاروں سے رہ رہ کے آتی ہوائیں

یہ رختِ نظر سوز یہ پوششِ نو بہ نو یہ نگارانِ گیسو بریدہ
کہیں پارکوں میں قیامت کے ساماں کہیں نو عروسانِ قامت کشیدہ
یہ وہ بجلیاں ہیں کہ اک پاؤں جن کا ہے یورپ میں اور دوسرا ایشیا میں
یہ پریاں وہ ہیں جن کے حسنِ فسوں ساز کی دھوم ہے قاف و کاکیشیا میں

یہ مانا کہ چودہ کی جنگِ جہاں سوز میں ہر طرح کے ستم ان پہ ٹوٹے
یہ مانا کہ دیرانِ گرانِ جفا کار نے غازیوں کے بھرے شہر لوٹے
کئی سبز باغ ان کو دکھلائے ان سے وفاؤں کے وعدے کئے بھی تو جھوٹے
مگر ان جوانوں کے اندازِ ہائے مصیبت بھی آئے تو ہمت نہ ٹوٹے

حکایاتِ قاضی کا حصہ نہیں ہے یہ قصّہ نہیں ہے نہ کوئی کہانی
جو ان سرفروشوں پہ گذری ہے یارو سنو تو کبھی وہ عدو کی زبانی
بساطِ سیاست پہ پھولوں کے مہرے سجا کر چلیں شاطروں نے وہ چالیں
جو دیکھا تو ہر سمت لاشیں پڑی تھیں نہ ترکوں کے ہاتھوں میں تیغیں نہ ڈھالیں

مگر ایک مردِ جگر دار و جانباز و دانائے رازِ حرب کی صدا سے
اٹھے زخم خوردہ جیالے جواں ترکماں داد لینے کو دیوِ قضا سے
نہ تیغیں نہ توپیں نہ گولے نہ بارود کوئی کمک تھی نہ کوئی سہارا
مگر غیر ممکن کہ ان ترکمانوں کو ہوتی کسی کی غلامی گوارا

وہ یونانیانِ تبہ کار کی موج در موج فوجیں وہ دھاووں پہ دھاوے
ادھر غازیانِ وطن، دخترانِ چمن کو محاذِ اجل پہ بلاوے
اُدھر اہلِ یوناں ہمہ ساز و ساماں اِدھر بے خس و خاش معصوم بچے
سلام ان شہیدوں پہ شاعر کا جو کمسنی میں تھے اپنے ارادوں کے سچے

مکاں تا مکاں ایک محشر بپا تھا نہ بیگم نہ خانم نہ بچی نہ بیٹی
مگر سوئے میداں جو دیکھا تو ہاتھوں میں گولے تھے یا کارتوسوں کی پیٹی
کہیں غازیانِ جواں سال کے خوں میں لتھڑے ہوئے پاک لاشے پڑے تھے
کہیں سرخ پھولوں کی ننھی کیاری یہ کہتی کہ بچے یہاں بھی لڑے تھے

اتاترک کی رہنمائی میں یورپ کا یہ مرد بیمار تازہ نوا تھا
یہ آزادیوں کا پرستار غارتگران وطن سے نبرد آزما تھا
اینونو کی جنگاہ کو آج تک یاد ہیں ترک زادوں کے جنگی ترانے
وہ عصمت اینونو کی یلغار، یونانیوں کے اکھڑتے ہوئے شامیانے

اتاترک ہی کا یہ فیضان ہے ترک ہیں پھر نئی منزلوں کو روانہ
در دانیال آج کیا ہے لرزتا ہے ان کی صدائے قدم سے زمانہ
صنم خانۂ خسروی کی وہ جلوہ گری ہے نہ وہ جان لیوا صنم ہیں
نہ وہ محنت و غم کی تفریق باقی نہ وہ کشت کاروں پہ ظلم و ستم ہیں

پر اسرار محلوں میں رنگیں اکھاڑے نہ وہ خلوتوں کے تماشے ہیں باقی
لہو قوم کا چوسنے والے پاشے ہیں زندانہ شکرے نہ باشے ہیں باقی
یہ چشموں کے دامن میں ہنستی ہوئی نازنینیں یہ گاتی ہوئی مہ لقائیں
حسیں وادیوں میں یہ چرواہیاں نکہتوں کی طرح بے خطر لہلہائیں

سمندر میں استول، باغوں میں جلسے، یہ پریوں کی رہ رہ کے جلوہ نمائی
سمرنا کے بازار یہ انقرہ کے در و بام یہ گلبن دلربائی
یہ پھیلی ہوئی جنتیں کتنے خوابوں کے رنگین جزیرے یہ قالین دیکھو
یہ اہل حشم کی حصانت کے ساماں حسیں مسجدوں کی یہ تزئین دیکھو

یہ حمام یہ مرمریں حوض یہ محل وایواں یہ رنگ برنگ حسین دیکھو
یہ اونی لبادے حریری قبائیں یہ خنجر یہ توغ و قرابین دیکھو
نئے قہوہ خانوں میں سادہ رُخان قرہ داغ کی دلبرانہ صدائیں
سگاروں کی مہکار، تمباکوئے نشہ آور کی لپٹیں، نشیلی فضائیں

یہی لوگ ہیں جن کے عزم و کرم نے ہمیشہ وطن کو دیا ہے سہارا
اناطولیہ کا چمکتا رہا ہے چمکتا رہے گا ہمیشہ ستارا
یہ عہدِ ترقی یہ دورِ تجلی یہ دنیائے دیں یہ جہانِ مثالی
مہکتے ہوئے کھیت، گاتی ہوئی وادیاں شہر در شہر مشکوئے عالی

مصر

سوادِ اعظم کے سینۂ سخت پر سسکتی ہوئی سیہ بوند دیکھتے ہو
اسی کو اب دیکھتے رہو
اس کی سرمئی سرسراہٹوں پر نگاہ رکھو
یہ جان سی پڑ گئی
کہ مارِ سیاہ پھنکارنے لگا ہے
یہ نیل بھی ہے
یہ ناگ بھی ہے
یہ راگ بھی ہے
یہ آگ بھی ہے
حفاظتِ ذات کا غضب آفریں اشارا
یہ نیل اسرارِ زندگانی کا استعارا
یہ مصر ہے
دیوتاؤں کی سرزمینِ رنگیں
فلک حشم دیویوں کی جلوہ گہہ جواں
سروقد شگفتہ جمال پریوں کا مطرحِ نازو دلربائی

شریر آنکھوں چمکتی پیشانیوں سنا برق سینوں والی کنواریوں کا سوادِ مَیں
جہانِ لہو و سرودُ و سوز و سرُور و مستی
سرِ بہارِ ابرِ بہار و سرمایۂ شگرف و نشاطِ ہستی
فراعنہ کی عظیم تر سلطنت
الہانِ فرش کی دولتِ گرای
ہوائے بالِ ہما
یہ دریائے نیل
یہ رودِ بیکراں
زندہ و ابد آشنا
گھنے جنگلوں سیہ گھاٹیوں کے ماتھے کا نور
زلفِ حیات کے تہ بہ تہ اندھیروں کے درمیاں
اک سجیلی مبک مسکراتی "پتلی لکیر"
جو نبضِ جاں ہے
خطِ سراغِ منزل ہے
جادۂ عیشِ جاوداں بھی
یہ چاند کا زر نگار بجرا
بتانِ وعدہ وفا خجستہ لقا سرِ ساحلِ بقا زمزمہ سرا
لہلہاتے پھولوں کی طرح پُر نور چھاتیوں سے لگائے
سازِ غنا —— یہ سحر و فسونِ صوت و صدا

مصر

یہ ریحان نفسِ مغنی
یہ مطربانِ جلیل
رامشگرانِ ایوانِ کبریائی
نہ سازو آواز کی خدائی

یہ مصر ہے
کوہسار پیکر سنہری سینہ خیام ۔ زرکار شامیانوں کے شہر بالا
عظیم اہرام
یہ شہانِ زمانہ کی جائے جاودانی
یہ بارگاہیں کہ جن میں کتنی تجلیاں بجلیاں بہاریں ہیں محو بازی
پلاستر کے اُشابتی
یہ غلام جو دیوتاؤں کے سامنے الہانِ مصر کے راج دوت ہیں
یہ بلند اہرام —— روح کے ساتھ جسم کی عظمتوں کے بکھرے ہوئے اشارے
غلط کہ دنیا ہے دارِ فانی
نظر گہہِ ایزد تعالےٰ
یہ جس کی آغوش میں سکوں ہے
طویل بوسوں کا دلبرانہ فسوں ہے
صحرا کی سمت دیکھو
یہ دیوتا
اپنی عظمتوں کا فسانہ خواں

اپنی کبریائی کو بھول کر
ایک طفلِ معصوم کی طرح
آج کس خموشی سے ریت کے نرم نرم سینے پہ سو رہا ہے
یہ عاشقِ نیم جاں کسی زانوئے گریزاں کو تھام کر ہوش کھو چکا ہے
تھکے پپوٹوں پہ ناچتی گونجتی گھٹاؤں کی جھالریں ہیں
اجاڑ ہونٹوں پہ کتنی صدیوں کی راکھ اڑ اڑ کے جم چکی ہے
سیاہ ماتھے کی سلوٹوں میں سمندروں کا جلال گم ہے
یہی ابوالہول ہے ابوالہول
آسمانوں کا اطلسی خول جس کے بھاری بدن پہ سکڑے ہوئے لبادے کی طرح دیکھو تو پھٹ چکا ہے

کنارِ دریا
رواں دواں زندگی کی نوکا
شریر جیب و دل و نظر کی گرفت کے منتظر

غزالانِ دام دیدہ
مغانِ نظر شاہدانِ زیبا
یہ ریستورانوں میں چنگ و طاؤس کی صدائیں
یہ بلیچے، ساقیانِ گل پیرہن، سمن پوش کافرائیں
یہ بُتانِ جواں کہ جن کی حنائی مخروطی انگلیاں، نور کے سفینوں کی طرح کتنے دلوں کے
چپ چاپ ساحلوں کی طرف رواں ہیں
یہ انگلیاں جیب و دل کی تاریکیوں میں رہ رہ کے سرسراتی ہوئی نئی نقرئی لویں ہیں

مرمریں رُویں
یہ کفِ نگاراں کہ جیسے فانوس جل رہے ہوں
لبِ عذاراں کہ سرخ یاقوت جام در جام تیرتے ہوں
نگاہیں طرزِ سوال و عذرِ وصال و طنزِ جمال میں لاجواب
زلفِ شکن شکن خواب خواب
کیمی! عظیم کیمی سلام تجھ پر
مگر یہ کیا ہے؟
الٰہی یہ کون آ رہا ہے؟

نور کا عالم، وادی وادی — طور کے جلوے صحرا صحرا
قطرہ قطرہ مایۂ گوہر — مہرِ منوّر ذرّہ ذرّہ
ابرِ بہاراں لشکرِ مستاں — افتاں خیزاں رقصاں رقصاں
لہکا لہکا گلشنِ ارماں — مہکا مہکا باغِ تمنّا
سیلِ نگاراں شعلہ عذاراں — شمس کناراں مہر سواراں
نیل کی لہریں نور کا بجرا — طرفہ تجلّی غلغلہ برپا
توت انخ آموں کی سواری — بادِ بہاری جاری و ساری
پہلو بہ پہلو شاہدِ زیبا — دشمنِ ایماں، کفر سراپا
بر کفِ رنگیں شیشہ و ساغر — خم خم و مینا نور سراسر
کتنے مسیحا محوِ مدارا — کتنے حسیں حیرانِ تماشا
تشتِ بیاباں طاسِ گلستاں — طاسِ گلستاں روضۂ رضواں
ریگِ درخشاں ریشم و دیبا — سینۂ خارا چشمۂ صہبا

مصر

کتنی کنیزیں ماہ لقائیں   دوشیزائیں دائیں بائیں
توت انخ اموں کے ترانے گائیں   توام تمنا در د رِ نا
مصر کا دل ایک ایک حسینہ   بیش بہا ایک ایک نگینہ
توت انخ آموں کا سفینہ   چہرۂ دریا لطفِ نظارا
جا بہ جا ابریقِ نشۂ زالی   آتشِ سوزاں پنجۂ مرجاں
بوئے رحیق و جامِ عقیق و   حسنِ رشیق و تابشِ جلوا
بربط و طبلک و چنگ و چغانہ   بر لبِ رنگیں حمد و ترانہ
نیم نگاہی قہرِ الٰہی   دل کی تباہی ناچ نرالا

سینوں سے مزمار لگائے   زلفوں میں سو پھول سجائے
ہاتھوں میں طنبور اٹھائے   لٹ چھٹکائے یوکا نارا
تنگ قبائیں ترچھی نگاہیں   پھول سی باہیں شہر پناہیں
ترکِ نگاہ بھی راہ نہ پائیں   کیسا حملہ کیسا دھاوا
غالیہ فامے ماہِ تمامے   سروِ خرامے عرش مقامے
رب الشمس کے سامنے سجدہ   لحظہ بہ لحظہ ناصیہ فرسا
دور تلک سرسبز کھجوریں   البیلی متوالی حوریں
سبزۂ ساحل دامنِ سائل   حدِ نظر تک پھیلا پھیلا
سروِ سفیرانِ متعالی   صاحبِ عزت و رتبۂ عالی
دو رویہ خاموش ادب سے   اپنی جگہ پہ تنہا تنہا
طوقِ غلامی زیبِ گلو ہیں   قمریاں مستِ کوکو ہیں

سنبل شوق سے پیچاں پیچاں ۔۔۔ دید کی طالب نرگس شہلا
دل پر داغ لئے ہے لالہ ۔۔۔ خیر، ادھر بھی آپ نے دیکھا
شوق، سراپا نخلۂ خرما ۔۔۔ چشمِ تمنا دانہ دانہ
حسن، تکلم سحر تبسم ۔۔۔ آئینہ الطاف و ترحم
عقل و جنوں میں بحث و تقاضا ۔۔۔ دیدہ و دل میں چشمک وایما
عارضِ گلگوں دیدۂ پرخوں ۔۔۔ عالمِ دل ہر لحظہ دگرگوں
ساعدِ سیمیں ساقِ بلوریں ۔۔۔ آگ کا دریا برف کا شعلہ
سینۂ نوریں خرمنِ زریں ۔۔۔ کاکلِ مشکیں طرۂ بیدیں
گوئے گریباں دو مہِ تاباں ۔۔۔ پہلو بہ پہلو شہرِ شفق زا
مرگِ یقینی بوسۂ بینی ۔۔۔ طاسِ طرب دو کاسۂ چینی
فتنۂ دوراں قامت موزوں ۔۔۔ قہرِ قیامت ہر قدِ بالا
رنگ بھُبھُوکا پیٹ ملائم ۔۔۔ سخت کچیں تلوار کی نوکیں
کان میں پتے، بالیاں جھمکے ۔۔۔ نور کا سارا گہنا پاتا
بازوؤں میں نیلم کے بوٹے ۔۔۔ کنگن گجرے مالا کنٹھے
اطلس کے بانات کے بانے ۔۔۔ گاتیاں باندھے برقِ تجلّا
مچھلیاں اپنے سروں پہ لگائے ۔۔۔ سونے کے شاخات اٹھائے
جھلمل جھلمل جگ مگ جگ مگ ۔۔۔ کلغی کلغی شمہ شمہ

باجے گاجے تُرم دمامے ۔۔۔ نادِ بجرَ سو نوبت خانے
دامی ڈھول گجر نقارے ۔۔۔ کوس و نفیر کی ڈھو ڈھو دھا دھا

توت انخ آموں کی زیارت — نعرۂ یا فرعون سلامت
نیل کنارے راج دلارے — شہر کے باسی بادیہ پیما
خیمۂ دیبا تختِ مطلّا — مسندِ زیبا تاجِ ثریا
فرشِ ملوّن خوب مزیّن — نم گیرے قالینِ بخارا
سبز قناتیں سرخِ طنابیں — کیلیں میخیں در دلِ اعدا
چوب و ستوں پر ستھرا سونا — سونے پر گلگونۂ طغرا
وسط میں کرسی روکشِ قدسی — سُکھد سہانی اونچی کرسی[1]
ٹیک لگائے داورِ دوراں — نیک پتاہ[2] مصرِ معلّےٰ
سندر مکھڑا نین منوہر — تیکھے ابرو میٹھے تیور
دبلا پتلا چاند کا چھلا — چہرہ لیکن پیلا پیلا
بیس برس کا سن ہے گرچہ — سال گرہ کا دن ہے گرچہ
دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں — روئے گرامی اترا اترا
فکر میں شاعر کھویا کھویا — سوچ میں ساقی ڈوبا ڈوبا
توت انخ آموں کو دیکھو — سمٹا سمٹا سہما سہما
فیض رساں ہے خلق نشاں ہے — زیبِ سرِ توقیعِ جہاں ہے
زیرِ قدم ہیں دشت و جبل بھی — زیرِ نگیں ہیں دشمن و اعدا
صاحبِ عظمت صاحبِ ہمّت — صاحبِ شوکت صاحبِ صولت

---

[1] جھنگ کا لفظ ہے۔ [2] فراعین کے زمانے میں بادشاہوں کے لیے بولا جاتا تھا۔ بادشاہ۔ باچا۔ پاتشا۔ پات شاہ۔ پتی وغیرہ اسی لفظ سے نکلے ہیں۔ طاہر

اس کی سلامی حکمتِ یوناں　　اس کی پجاری دانشِ روما
رب الشمس یہی ہے دیکھو　　رب النوع یہی ہے۔ دیکھو
انا ربکم الاعلیٰ ہے　　جس کا دعوےٰ جس کا نعرا
پہلو میں سلطانۂ ذیشاں　　باہمہ تمکیں باہمہ عنواں
عشوہ طراز و مایہ نازو　　محرم رازِ و فہم سراپا
کفر کا پالا ہر خمِ گیسو　　فرق نہیں ہے اس میں سرِ مو
کاکلِ مشکیں رات کا پردا　　بال ہما کا تخت پہ سایا
روئے کتابی رنگ شہابی　　ہونٹ گلابی نین شرابی
نورِ سحر بھی حسنِ شفق بھی　　شعلۂ آتش و سرخیٔ صہبا
راس دلاس بلاس کی باتیں　　ناز کرشمے نخرے گھاتیں
حرفِ تسلی، قولِ وفا　　پیمانِ محبت شکوۂ بے جا
نشہ میں ڈوبی چشمِ خماریں　　پھول سے لب اوراقِ بہاریں
لعل حنائے دستِ نگاریں　　جلتے ہوئے یاقوتِ کفِ پا
پیکرِ عصمت آئینہ سیرت　　شمع و چراغِ خانۂ خلوت
رام کے ہمراہ جیسے سیتا　　کرشن کی گود میں جیسے رادھا
بطنِ صدف میں جیسے موتی　　من میں جیسے جیون جیوتی
باتیں وید کی سندر بانی　　چہرہ جیسے بھگوت گیتا
فرِ شہانہ حسنِ یگانہ　　جشن و جلوس فسون و فسانہ
خواب کی پریاں خواب کے منظر　　خواب ہی خواب یہ ساری دنیا
دیکھا دیکھا نیل کا سینہ　　وقت ہے جس میں ایک سفینہ

نیل سے ابھرا وہ مہِ کنعاں   نیل سے نکھرا حسنِ زلیخاؔ

○

یہ مصر کا بازار ہے اب دیکھیے کیا ہو
یاں حسن خریدار ہے اب دیکھیے کیا ہو
ہر بام سے آتی ہے صدا دیکھ ادھر دیکھ
دل نقش بدیوار ہے اب دیکھیے کیا ہو
لٹ جانے کا اندیشہ بھی بے سود نہیں ہے
دل دولتِ بیدار ہے اب دیکھیے کیا ہو
بکنے کے لئے آیا ہے کنعاں کا حسیں چاند
ہر مشتری ہشیار ہے اب دیکھیے کیا ہو
انبوہ خلائق ہے کہ دم گھٹنے لگا ہے
ہنگامۂ گفتار ہے اب دیکھیے کیا ہو
یہ عربدہ جُو کون ہے مستِ مۓ پندار
کس بات پہ اصرار ہے اب دیکھیے کیا ہو
اے ذوقِ غم و حوصلۂ لذتِ آزار
یہ مرحلہ دشوار ہے اب دیکھیے کیا ہو
وہ حسنِ خود آرا کے تقاضوں پہ تقاضے
اور عشق کو انکار ہے اب دیکھیے کیا ہو
آپس میں لڑائی ہے برابر کی ہیں چوٹیں
وہ تیغ یہ تلوار ہے اب دیکھیے کیا ہو

مصر

دل کافر و دیندار کی تہمت سے بری ہے
دل طالبِ دیدار ہے اب دیکھئے کیا ہو

نیل بہتا رہا نیل گاتا رہا — زندگی کے ترانے لٹاتا رہا
عشق اپنی کہانی سناتا رہا — حُسن سنتا رہا مُسکراتا رہا
نیل بہتا رہا نیل گاتا رہا

وادیٔ مصر پر خاص رحمت ہوئی — اک پیمبر کی مشہور حکمت ہوئی
کوئی بھی تو نہ لوگوں کو زحمت ہوئی — قحط آتا رہا قحط جاتا رہا
نیل بہتا رہا نیل گاتا رہا

آفتوں کی سیہ بدلیاں چھٹ گئیں — پاؤں کی نارَوا بیڑیاں کٹ گئیں
قسمتیں بن گئیں کھیتیاں بٹ گئیں — محنتوں کا چمن لہلہاتا رہا
نیل بہتا رہا نیل گاتا رہا

پیرہن کی مہک حشر ڈھاتی رہی — دور بیٹھے ہوئے آنچ آتی رہی
جانے بادِ صبا کیا اُڑاتی رہی — پیرِ کنعاں بھی آنسو بہاتا رہا
نیل بہتا رہا نیل گاتا رہا

زندگی اس قدر مہرباں ہو گئی — ہر کلی پھول سے گلستاں ہو گئی
یہ بھی دیکھا زلیخا جواں ہو گئی — چاند چمکا تو پھر جگمگاتا رہا
نیل بہتا رہا نیل گاتا رہا

آج یوسف ہے زندہ نہ یعقوب ہے، — اب کہاں وہ زلیخا سا محبوب ہے،
کچھ بھی ہو یہ حسیں ماجرا خواب ہے، — داستاں رہ گئی وقت جاتا رہا
نیل بہتا رہا نیل گاتا رہا

نیل بہتا رہا گاتا رہا برسوں ایسے
دامنِ دشت پہ اہرام ابھرتے ہی رہے
وقت کی گود میں تابوت ابھرتے ہی رہے
لوگ مل مل کے بچھڑتے رہے کیسے کیسے

کتنے دل کتنے جگر ہم نفسو چاک ہوئے
طرّہ و زلف وہ رخسار نگار آلودہ
دیکھتی آنکھوں ہوئے ہائے غبار آلودہ
وہ پری چہرہ صنم خاک تھے اور خاک ہوئے

دُودِ غم اٹھتا رہا ساغر و پیمانے سے
سوئے فردوسِ بقا ساقی و محبوب گئے
وقت کے سیلِ سبک سیر میں سب ڈوب گئے
ہائے کیا رند تھے جو اٹھ گئے میخانے سے

نیل بہتا رہا سینے سے لگائے یادیں
کتنی راتوں کے فسوں کتنی رُتوں کے جادو
وہ حکایات لب و عارض و دوش و گیسو
ہائے وہ سینے کہ سلطان کریں فریادیں

مصر

کتنے فرعون و خدایان و خدیو رہ ہو نگے
کھو گئے ظلمتِ ایام کی پہنائیوں میں
مل گئے مر کے وہ اہرام کی پرچھائیوں میں
کون بتلائے کہ وہ لوگ کہاں پر ہو نگے

دیکھتے دیکھتے پھر نیل نے انگڑائی لی
پھر نئے سر سے ہوا مصرِ عزیزاں آباد
نئے لوگوں سے ہوا میکدہ جاں آباد
نہ رہی کوئی شکایت شبِ تنہائی کی

چھڑ گئیں سینہ و رخسار کی باتیں یارو
جگمگانے لگے ہر بام پہ مہتاب نئے
چشمِ حیراں کو عطا ہونے لگے خواب نئے
جاگ اٹھیں زلف کی سوئی ہوئی راتیں یارو

گرم پھر ہم نفسو مصر کا بازار ہوا
پھر نئی جنسِ وفا پھر ہیں خریدار نئے
نئے محبوب نئے چاند، پرستار نئے
اب نہ انکار کا عالم تھا نہ اصرار ہوا

پھر دہی نعرہ کہ معبودِ حقیقی ہم ہیں
سامنے آؤ تو سجدے میں جھکا دو سر کو
نقشِ پا گر نظر آئیں تو جبیں خم کر دو
تم فقط بندے ہو مسجودِ حقیقی ہم ہیں

طالبِ سجدہ کبھی عکسِ روئے یار ہوا
طالبِ جاں کبھی خوبانِ سمن پوش ہوئے
دین و ایماں کے جو بندے تھے فراموش ہوئے
ایک مجبور بشر مالک و مختار ہوا

اس طرف برقِ سرِ طور جو لہرانے لگی
لختِ عمراں نے رسالت کی بشارت پائی
آگ لینے کو گئے تھے کہ نبوت پائی
زندگی مصر کے مختار سے ٹکرانے لگی

فرعون
سن لیا، خیر سے فرزند کے لچھن دیکھے
دن جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ نہ دشمن دیکھے

آسیا
بات سچی بھی اگر ہو نہیں سہتا کوئی
اپنے بچوں کو برا تو نہیں کہتا کوئی

فرعون اُس کے یہ کام یہ کرتوت یہ کرتب دیکھے
تو نے فرزند جواں سال کے یہ ڈھب دیکھے
سب سے کہتا ہے کہ فرعون خداوند نہیں
مصریو! شرم کرو توبہ کا در بند نہیں

آسیا بات کچھ اور طرح تم کو سنائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

فرعون ہم یہ سنتے ہیں کہ وہ طور پہ بھی جاتا ہے
روز اک بات نئی سیکھ کے وہ آتا ہے

آسیا یہ تو بتلاؤ بلاتا ہے اُسے طور سے کون
روز آواز اُسے دیتا ہے یہ دُور سے کون

فرعون تو یہ جانے یا ترا لاڈلا بیٹا جانے

آسیا بات کچھ بھی نہیں اور سنتی ہوں سو افسانے
پَر کا تم کوّا بنا لیتے ہو صاحب ورنہ
اپنے فرزند سے اس طرح بھلا کیا ڈرنا

فرعون کبھی بھولے سے بھی اس نے ہمیں سجدہ نہ کیا
پئے تعظیم کبھی ہاتھ ہلایا نہ گیا
اپنی تسلیم بجا لانے سے کتراتا ہے
اٹھ کے دربار سے دریا پہ چلا جاتا ہے

آسیا ایسی باتوں سے تو ماں باپ کو ہوتی ہے خوشی
لاڈلے بچے یونہی تنگ کیا کرتے ہیں

فرعون آسیہ تیری نگاہوں میں وہ ہوگا بچہ
ورنہ اٹھارہ برس کا ہے جوانِ رعنا

آسیّا یہ جواں لوگ ذرا تن کے چلا کرتے ہیں
پاؤں رکھتے ہیں کہیں اور کہیں پڑتے ہیں

فرعون کوئی شے اپنی اطاعت بھی مگر ہے کہ نہیں

آسیّا شرم آتی ہے جوانی کو اطاعت کرتے
شرم آتی ہے اُسے پاؤں زمیں پر رکھتے
یہ زمانہ تو شہنشاہوں سے لیتا ہے خراج
ہیچ ہیں اس کی نگاہوں میں سلاطین کے تاج
نذر دینے کا ارادہ ہو تو اپنا سر دے
ضد پہ آجائے تو صحرا کو سمندر کر دے

فرعون کچھ تو دربار کے آداب کا لازم ہے خیال

آسیّا تم بھی دربار سے محلوں میں نکل جاتے تھے
چاندنی رات کی باہوں میں مچل جاتے تھے
خوشبوئیں پا کے بہاروں کی بہک جاتے تھے
صورتِ موجِ صبا ہاتھ کہاں آتے تھے
کیا تمہیں یاد وہ ایامِ جنوں ہیں کہ نہیں
نیل کی بہتی ہوئی لہروں میں کھو جاتے تھے
سیج کو چھوڑ کے تم ریت پہ سو جاتے تھے

فرعون — آسیہ آسیہ خاموش رہو

آشیا — تم بھی ان گرم ہواؤں میں پلے پھولے ہو
اور ان گرم ہواؤں کی نہ پوچھو باتیں
جن کے دامن میں کبھی دھوپ کبھی برساتیں
جی نہ یوں میلا کرو،

اور پھر نیل نے اس شان سے کروٹ بدلی
غرق فرعون ہوا لشکرِ بے دیں ڈوبا
نورِ توحید سے روشن ہوئے مصر و نوبا
دو جہاں میں یدِ بیضا کی تجلّی مچلی

گنگناتا ہے نئی شان سے ایمن دیکھو
لوگ ایماں کے طلب گار ہوئے ہیں اب تو
دو جہاں مطلعِ انوار ہوئے ہیں اب تو
نور سے طور کا معمور ہے دامن دیکھو

یہ ایک معبد ہے
ربّہ رع کا معبدِ زرنگار
دیوار و در پہ یہ فاختائیں یہ بلبلیں یہ چڑیاں

یہ نوری سی گردنیں اٹھائے ہوئے جواں راج ہنس، مرغابیاں، بطیں
آٹھ (۸) کی طرح خم شدہ کوئی ران
تیروں سے پھول دیکھو تو چھلنی چھلنی
یہ نقرۂ ناب کی نہایت نفیس میزان
جس کے پلڑوں میں اک طرف دل ہے
اک طرف جانے کیا دھرا ہے؟
یہ ایک دیوار
صبح کی پاک چشم دیوی
سمندِ صرصر قدم کی جلتی ہوئی عنانیں اٹھائے، رتھ کو بھگائے،
دنیا کو جگمگاتی اُڑی چلی جا رہی ہے
لیکن یہ اک پہیلی
یہ نسرِ طائر کے پاؤں میں دم گرفتہ سرطان
گردشِ ماہ و سال کا، یہ طلسمِ ایّام کا معمّا
اگر کوئی حل کرے تو جانیں
اسے پڑھا لکھا شخص مانیں
بجا کہ یہ لوگ ایسے شاعر نہیں
مگر یہ حساب داں تو ضرور ہیں
اور حساب وہ نغمۂ ازل ہے
کہ جس پہ رقصاں ہیں اپنی جانیں

پہاڑ، طاسِ قمر کی پہنائیاں کہ مریخ کی چٹانیں
کسی بدن کے خطوط
زلفوں کے پیچ و خم
مسکراتی آنکھوں کے زاویے
سینۂ نگاراں کی سخت گولائیاں
محیطِ کمر، نظر سوز دائرے
لہلہاتی رانوں کے دَور
نظمِ وجود کا دلکشا ترنّم
نشاطِ موزونیٔ خد و خال
سب ریاضی کی شاعری ہے،
عظیم تر شاعری مگر (Medium) جدا ہے
تو یہ پہیلی اگر کوئی بوجھ دے تو مانیں
یہ صحنِ مسجد یہ تال، تالاب
نیل پیکر نہنگ جن میں
کنواریوں کے لہو کے پیاسے

الٰہی توبہ!
یہ نقرئی تھالیوں میں گھی کے چراغ روشن
یہ عود و عنبر کی خوشبوئیں
منقلوں سے اٹھتا ہوا مہکتا ہوا دھواں

یہ پردہتوں کے پرے
ہجوم بلاکشاں
ان کے درمیاں، ایک بانوئے بے زباں
کسی گھر کی چاندنی
ایک دل کا نغمہ
وجود جس پر کسی کا ایماں
مگر کسی طائرِ شکستہ نوا کی صورت ملول و حیراں
کبھی یہ معصوم بھائی کی سمت دیکھتی ہے
جو ماں کی آغوش میں ہے لیکن اسی کی جانب ٹھمک رہا ہے
خدا کا دل بھی دھڑک رہا ہے
کبھی وہ بہنوں کو دیکھتی ہے
کبھی یہ کہنا سہیلیو مجھ کو بخش دینا
تمہاری دنیا کی سیر کرنے کو آئے تھے
سیر کر چلے
اب تو مر چلے
تم کبھی جو مل بیٹھو تو بندی کو یاد کرنا
یہ قتل گاہیں یہ آہ و زاری
الٰہی کب تک کنواریاں نیل کے حوالے ہوں باری باری
الٰہی کب تک رہے گا دنیا میں ظلم جاری!

یہ اک مکاں ہے، نیا بنا ہے
یہ صحن کتنا کشادہ ہے
بام و در پہ گلکاریاں، ستوں در ستوں طراز بہارِ تازہ
یہ سینۂ سنگ پر کنول تیرتے ہوئے
لہلہاتی بیلیں جو چاند کی سمت اٹھ گئی ہیں
گماں یہ ہوتا ہے بھائی کی اوٹ میں جواں عمر چھوریاں گھر میں آنے والے
کسی حسیں میہماں کو رہ رہ کے تک رہی ہیں
وہ دیکھتا ہے تو میٹھے میٹھے تبسموں کے سوا وہاں اور کچھ نہیں ہے
غلام مسرور و مطمئن ہیں
وہ ایک بانوئے مہ لقا درمیاں کھڑی مسکرا رہی ہے
کنیزیں سامان لا رہی ہیں
وہ سفتہ گوشان با ادب اپنی اپنی میزیں سجا رہے ہیں
مغنیانِ یمن، پری چہرگانِ بالا پہنچ گئی ہیں
یہ بربط و چنگ یہ مزامیر
چھاتیوں کے طلائی دف
کف بکف چھلکتے ہوئے خم و جام
صاحبِ خانہ مسکرا مسکرا کے ہر سمت دیکھتا جا رہا ہے
ایسا دکھائی پڑتا ہے کوئی دعوت ہے کوئی تقریب ہے
وہ مہمان آ رہے ہیں
مگر یہ کیا؟

طاقچوں، دریچوں، تمام الماریوں میں لاشیں
یہ سوچتی صورتیں، تفکر میں گم جنازے
دراز پلکیں، اداس آنکھیں، چمکتی پیشانیاں، یہ بالا بلند انساں حنوط کردہ
گماں یہ ہوتا ہے بیٹھے بیٹھے یہ لوگ خوابوں میں کھو گئے ہیں
جہاں یہ بیٹھے تھے بس وہیں آنکھ لگ گئی ہے یہ سو گئے ہیں
مگر نہیں، دوستو نہیں
لاش لاش اب سانس لے رہی ہے
شکستہ پنجر، فسردہ ڈھانچے لرز رہے ہیں
وہ سوکھے سہمے ہوئے کئی ہاتھ ہل رہے ہیں
وہ چھاتیاں کانپنے لگیں
لاش لاش لینے لگی ہے انگڑائیاں الہٰی
قباؤں کے بند کھل رہے ہیں
وہ پھول آنکھوں میں تل رہے ہیں
یہ لوگ اب جی اٹھے ہیں، آواز دے رہے ہیں
وہ سازِ بیدار ہو گئے۔ رقصِ زیست جاری
وہ لاشیں اپنی نشست گاہوں سے نیچے اتریں
وہ پینے والوں کو چھیڑ کر درمیاں سے گذریں
طلائی سینوں کی ممٹیاں اب دھڑک رہی ہیں
قباؤں کی سلوٹیں جو دیکھو بھڑک رہی ہیں

وہ جام در دست مہاں لاش لاش سے اب لپٹ گئے ہیں
یہ عود سوزوں کی خوشبوئیں
مسکراتی روحوں کی پاک سرگوشیاں
ستاروں کی سسکیاں
خوبرو کنیزیں شراب کے جام سرخ ہاتھوں پہ لے کے محفل میں تیرتی پھر رہی ہیں
نغمے ابل رہے ہیں
شراب کے دور چل رہے ہیں
ادھر کسی گود میں نئے پھول اونگھتے ہیں
وہ ہونٹ خوشبوئیں سونگھتے ہیں
زہے نشیدِ نشاط و مستی
زہے تماشائے بزمِ ہستی
غلط کہ دنیا ہے دارِ فانی
نظرگہِ ایزد تعالے
پیو پلاؤ ہنسو ہنساؤ
زمانِ رفتہ کو بھول جاؤ
یہ زندگی جاوداں رہے گی
یہ زندگی جاوداں رہی ہے
یہ نیل گاتا رہے گا یونہی
یہ ناؤ یونہی رواں رہیگی

حکمراں ہے نیل پر اب رات کی نیلم پری
حسن کی پیغمبری ہے مہوشوں کی سروری
دن ڈھلا ایسے کہ ہر نقشِ فروزاں مٹ گیا
اب لبھاتی ہے دلوں کو رات کی عشوہ گری
رات یوں آئی کہ دن ہوگا نہ شاید حشر تک
ہے یدِ بیضا پہ خندہ زن فسونِ سامری
یہ قلوپطرہ کا دورِ عیش و عہدِ ناز ہے
برقِ سینا بھی یہی آئینۂ اسکندری
سرو قد سیماب تن زہرہ وش و یکتا جمال
ہر مسامِ جاں میں شعلوں کی سنہری تھرتھری
جس کی آنکھوں کے فسوں سے کانپتے ہیں روم و شام
دلبری غارتگری یہ کافری یہ ساحری
وہ کمانِ ابروئے خمدار میں جنبش ہوئی
یہ رہا فتراک میں جاہ و جلالِ قیصری
مسکراتی انکھڑیاں سرچشمۂ عیش و نشاط
سینۂ سیمیں کہ ہے عنوانِ شوقِ خودسری
ماہرِ آئینِ ہستی واقفِ رمزِ وصال
اہتزازِ وصل میں بھی چشمۂ دانشوری
گھول کر پیتی ہے وہ موتی شرابِ ناب میں
جن کا ہدیہ گنجِ دو گیتی نہ تاجِ خاوری

مصر

پہلوئے تاباں میں کتنی جنتوں کی رونقیں
جنگلوں کی خامشی صحراؤں کی جادوگری
نیم وا ہونٹوں پہ رومانوں کی لمانوں کی جوت
جلوۂ گفتار ہم اہلِ ہوس کی شاعری
جل اٹھے کتنے خرابوں میں نئے سر سے چراغ
دیدۂ حیراں کو بہلاتا ہے نازِ دلبری
ناچتی ہے بام و در کی وادیوں میں چاندنی
کھیلتا ہے روئے ہستی پر جمالِ آذری
دیکھنا محراب در محراب قندیلوں کا نور
یہ افق رکھتے ہیں اپنے مہر و ماہ و مشتری
مایۂ آرامشِ جاں لہلہاتی بجلیاں
گھومتے شعلوں میں تسکین و سکونِ آخری
نکہتِ گل، نرم رو جھونکے، نشانِ مندانِ عیش
ہائے یہ غارتگرانِ دل کی بندہ پروری
پھول سے پاؤں سمٹ جائیں تو پھر لالوں کے ڈھیر
رقص میں آئیں تو اک طوفانِ حسن و دلبری
خود بخود کھلتے ہوئے سینے کشادہ گنج گنج
کون کر سکتا ہے ایسے میں خیالِ بے زری
طور کی ہر برق سامانی ہے ان جلووں میں گم
نیل کر سکتا نہیں طغیانِ دل کی ہمسری

مصر

چاندنی، ایواں، چمن، ساقی، بتانِ خوش کلام
ہائے یہ دنیائے فانی ہائے یہ دنیا مری
تھم گیا وہ سیلِ نغمہ لوگ بھی رخصت ہوئے
نیل کی لہروں کی اب خاموش ہے نغمہ وری
مقبروں کی آڑ میں روتی ہے تنہا چاندنی
بوم کی اہرام در اہرام یہ نوحہ گری

نیل کی لہریں دیکھ چکی ہیں سیلِ سبک رفتاراں — برق سواراں
طنطنۂ صد لشکریاں پندارِ ستم آثاراں — غارت کاراں
فرماں روایانِ دو عالم سلسلۂ سرداراں — خود مختاراں
قافلہ قافلہ تاجوران گیتی عرش تباراں — کوہ وقاراں
کتنے شمس قدم مہتاب عناں خورشید سواراں — ہفت مہاراں
کتنے قیصر کتنے انطونی فخرِ جاں داراں — عشق شعاراں
سرخیِ "شامِ شفق" ٹک دیکھو خونِ سرِ سوفاراں — لالہ زاراں
جان کی بازی ہار کے جیتے دولتِ وصلِ نگاراں — شعلہ عذاراں
موت کا گھن ظلماتِ فنا ہنگامۂ پہرہ داراں — بدکرداراں
مرگِ سپاس گذاراں ہائے دبدبۂ جاں ہاراں — دو لاچاراں
سر نہوڑائے دیکھ رہا ہے وہ ننگِ ہمکاراں — جان سپاراں
آہ و بکا کے شور میں گم ہے نعرۂ ناہنجاراں — جور مداراں

مصر

اہلِ وفا کے نقشِ کفِ پا زینتِ راہگزاراں   بر کہساراں
نیل کی لہریں دیکھ چکی ہیں انبوہِ سرشاراں   صد میخواراں
عشرتیانِ محفلِ شب وہ گرمیٔ گل رخساراں   ماہ شکاراں
زندہ دلانِ شہرِ جنوں وہ رونقِ شب بیداراں   لذت خواراں
مے خانوں کا شور وفا کا زور سرِ دلداراں   غنچہ باراں
مستیٔ شوقِ دلِ دیوانہ بے خودیٔ ہشیاراں   عیش گزاراں
حسنِ کلام شکر گفتاراں موجِ صبا رفتاراں   جلوہ کاراں
سرخیٔ دستِ حنائی خوشبوئے فردوس کناراں   نازِ بہاراں
حسنِ خلوصِ جگر افگاراں سادگیٔ پرکاراں   فتنہ کاراں
غربت، خوشحالی سرمستی قہر ستم بسیاراں   باد و باراں
تنگی ترشی تلخی فاقے صرصر، سیلِ غباراں   برشِ خاراں
نیل کی لہریں دیکھ چکی ہیں فرخیٔ فرخاراں   تقوی داراں
ایک نرالے دین کا پرچم، خوش نگہبانِ فاراں   صدق شعاراں
ختم ہوا اب ختم ہوا ہر غلغلۂ اغیاراں   دل آزاراں
دینِ محمدؐ کی برکت سے دن بدلے ہیں یاراں   اے ناداراں
وادیٔ سینا تجھ کو مبارک حسن و جمالِ بہاراں   لحنِ ہزاراں
حشر تلک ہے اپنی شاہی اے قومِ ناچاراں   باج گزاراں

اور اب نیل نے اک دور نرالا دیکھا
ہر در و بام کے ماتھے پہ اُجالا دیکھا
اب نہ اوہام نہ وہ کفر پرستی کی رسوم
ظلمتِ ظلم و ظنون کو تہ و بالا دیکھا

بینوا اب جو اٹھے اوجِ عجب تک پہنچے
تشنہ لب چشمۂ نایابِ طرب تک پہنچے
وہ کہ تھے قدرتِ اظہار سے محروم وہی
مسندِ فلسفہ و شعر و ادب تک پہنچے

یہ خداوند تعالےٰ کا پیام پُر نور
یہ مساوات و اخوت کا سلامِ منشور
جس کا فرمان کہ اللہ کی ہے ساری زمین
جس کا ارشاد کہ ہر جا ہو نظامِ جمہور

لوگ اس دولتِ دارین کے گرویدہ ہوئے
رنج و آزار سے آزاد و ستم دیدہ ہوئے
وہ جو رسوا تھے کبھی اہلِ وطن کے ہاتھوں
صاحبِ سلطنت و تخت طرازیدہ ہوئے

مصر

اہلِ دیں اب تو بسانے لگے مل کر فسطاط
مسجدیں، مدرسے، محلات، مقاماتِ نشاط
نورِ فاراں سے ہم آغوش ہوئی وادیٔ طور
زندگی نغمہ سرا ہے سرِ ہر کنج و بساط

مسجد طولون پہ کیجئے نظر — یہ حسیں مینار یہ دیوار و در
اللہ اللہ خلوتِ اسرارِ فیض — یہ عبادت گاہ یہ آثارِ فیض
دارِ ششدر دیکھ کر حیرت میں ہے — نور اس کے شعلۂ قامت میں ہے
گنبدوں کے دَور میں دورِ جہاں — دَور جن میں گم ہے دورِ آسماں
حجلۂ پر نور گویا حبیبِ ناز — نقش ہر دیوار ساز جاں نواز
یہ تراشیدہ، طرازیدہ ستوں — یہ سر و سرمایۂ صبر و سکوں
ان ستونوں سے عیاں ہیں ولولے — خالقِ ارض و سما کے حوصلے
قامتِ خم گشتہ محرابِ سجود — ہائے یہ بختِ کماں کش کی نمود
جگمگاتی جھلملاتی کلغیاں — یا تشہد میں اٹھی ہیں انگلیاں
کبریائی کا نمونہ ہر کلس — دوستو اللہ بس باقی ہوس

یونہی فاطمہ کے عہد کا آغاز ہوا
مصر میں ایک نئے دَور کا در باز ہوا
طائرِ فکرِ رسا مائلِ پرواز ہوا

پھر سے قسطاط کی تزئین کے سامان ہوئے
رونق شہر جگرداروزرِیان ہوئے
آئینے اپنی تجلّی پہ خود حیران ہوئے

اہلِ لشکر کے لئے قاہرہ تعمیر ہوا
ہر مکاں حسن میں پیرایۂ تصویر ہوا
دامنِ ریگ رواں چشمۂ تنویر ہوا

گردِ صحرا ہے نہ اب جورِ بیاباں کوئی
اپنے جینے پہ نہیں آج پشیماں کوئی
سارے انساں ہیں نہ ترسا نہ مسلماں کوئی

کوئی ہاتھ اب نہ بڑھے گا کسی داماں کی طرف
کوئی ظلمت نہ بڑھے گی مہِ کنعاں کی طرف
کوئی یوسف نہ کبھی جائے گا زنداں کی طرف

یہ محلات و شبستانِ بہاراں ہر سو
موج در موج رواں سیلِ نگاراں ہر سو
رقصِ آہو روشاں لالہ عذاراں ہر سو

مصر

حکمت و خبر کے پیکر دیکھو
دوستو جامعۂ ازہر دیکھو

بیتِ معمورِ شرف
فخرِ بغداد و نجف
یادِ ایامِ سلف
درسِ قانونِ پیمبرؐ دیکھو
دوستو جامعۂ ازہر دیکھو

مرکزِ فکر و نظر
مصدرِ علم و خبر
کعبۂ اہلِ ہنر
دانش و داد کے دفتر دیکھو
دوستو جامعۂ ازہر دیکھو

فلسفہ ہو کہ ادب
منطق و شعرِ عرب
علمِ تاریخ و نسب
ابنِ خلدون کے جوہر دیکھو
دوستو جامعۂ ازہر دیکھو

یہ کہ ہے شہرِ علوم
اس کی عالم میں ہے دھوم
ہو ریاضی کہ نجوم

سب کی تعلیم یہاں پر دیکھو
دوستو جامعۂ ازہر دیکھو
گم ہیں یونان کے ہوش
فکرِ افرنگ خموش
ہر طرف لحنِ سروش
یہ ادیب اور سخنور دیکھو
دوستو جامعۂ ازہر دیکھو

ہزار سال ہو چکے ہیں ازہر کو
سینۂ خاک میں علم کی حسیں مشعلیں جلاتے
وطن وطن سے کئی جواں طالب علم ازہر سے فیض پانے کی آرزو میں
اسی طرح آستانِ انوار پر ہیں آتے
یہ سینۂ آب و گل میں
دھرتی کے دل میں
حکمت کی اولیں روشنی
ہزاروں علوم کی آتشِ فروزاں
ہنر فزایندۂ جہاں
اپنے نام کی طرح ازہر درخشن و جواں
اک غلام کے شوق علم کی ترجماں
ہمارا اسلام تجھ پر ——،

زمانِ آیندہ کے تقاضوں سے باخبر ہے
یہ نیل و اہرام کی طرح خود عظیم تر ہے

اس طرف ایک شہنشہ کے شبستانوں میں
ہر گھڑی آگ دہکتے ہوئے رومانوں کی
بجلیاں لندن و پیرس کے صنم خانوں کی
پھول نا یافتہ نا دیدہ طرب زاروں کے
جمگھٹے پریوں کے حوروں کے طرحداروں کے
سرخیاں بادۂ لعلِ لبِ محبوباں کی
گرمیاں باعثِ تسکیں ہیں تنِ خوباں کی
راحتیں سینۂ سمیں کے سبزہ زاروں کی
نکہتیں عصمتِ نشگفتہ کے گلزاروں کی
ٹوٹتی رانوں کے محراب دلاویز و حسیں
نرم رَو خوش گہہِ نایاب کی جوئے نمکیں
حلقۂ ناف یہ گردابِ کمر کیا کہیے
کام کرتی ہی نہیں اپنی نظر کیا کہیے
صورتیں پیرہنِ حسن میں عریاں کیا کیا
پھول بکھرے ہیں سرِ فرشِ دل و جاں کیا کیا

رامش و نور سے نکھرے ہوئے ایوانوں میں

بادۂ ناب کی ہر بوند مہِ عید بنے
قطرۂ مے جو گرے خاک پہ خورشید بنے
قطرۂ مے کہ دمِ برق کو جولانی دے
قطرۂ مے کہ رگِ ابر کو تابانی دے
رقص میں گرم دلانِ حرمِ ناز و نشاط
اک نظرگاہِ نگاراں پسِ ہر قصر و رواط
آسماں پایہ خدیووں کا یہ فرزندِ رشید
بندۂ قحبہ و دلّالہ و زنہائے پلید
عدل و انصاف سے بیگانہ و عماری بکبیر
جانے فاروقؓ یہ کہلاتا ہے ظالم کیونکر
رغبتِ دستِ کرم جانبِ ہر عیش فروش
شورِ فریاد و فغاں سن کے شب و روز خموش
نالہ کرتے ہیں اگر مل کے جگر چاک چہ باک
خونِ صیاد اُرچکد از حلقۂ فتراک چہ باک

بھوک ہی بھوک بھڑکتے ہوئے میدانوں میں

نیل کی لہروں سے دوزخ کی ہوا آتی ہے
پتے ہلتے ہیں تو ماتم کی صدا آتی ہے
پاؤں میں آبلے ہونٹوں پہ تپکتے چھالے
فاقہ مستوں کی زبانوں پہ ہزاروں تالے

ساحلِ نیل پہ گھر لُٹ گئے ملاحوں کے
ہائے وہ گیت کہاں کھو گئے فلاحوں کے
پھول رہ رہ کے ادھر جیبِ ہوس میں پہنچے
اور جو مرغانِ خوش الحاں تھے قفس میں پہنچے

ابرِ سینا کی نظر غیر کے گلزاروں پر
برق گرتی ہے مگر مصر کے ناداروں پر
پارۂ ناں کے لئے کتنے جگر خون ہوئے
کوئی شے پائی جو للہ تو ممنون ہوئے

دم بخود لوگ یہ کیا دورِ تباہی آیا
آگ ہی آگ لئے ظلِّ الٰہی آیا

مشورے ہونے لگے چاک گریبانوں میں

اب ستم دیدۂ ایام کی باری آئی
کشتگانِ مے گلفام کی باری آئی
سہمی سہمی ہوئی آنکھوں میں شرارے دیکھے
درِ اندیشہ کھلا سینوں میں شعلے لپکے

در و دیوار پہ چھائی ہوئی خاموشی ہے
گوش تا گوش مگر عالمِ سرگوشی ہے
ہائے اک طرفہ زباں آج عطا ہوتی ہے
استعاروں میں ہر اک بات ادا ہوتی ہے

یہ کنایوں کے اشاروں کے معانی دیکھو
آج دریائے بلاغت کی روانی دیکھو
اک بدلتے ہوئے ماحول کے تیور سمجھو
آج اولادِ ابو لہول کے تیور سمجھو
گردشِ جام کے ماروں کا زمانہ آیا
کیا دبے پاؤں بہاروں کا زمانہ آیا

حرمتِ مصر کے جاں باز نگہبانوں میں

ہو چکے مشورے اب وقتِ عمل آپہنچا
دشمنِ جاں کے لئے حکمِ اجل آپہنچا
شب گزیدوں کو پکارا جو سحر نے یارو
نیل کا پانی لگا سر سے گزرنے یارو
ناصرِ مصر اٹھا عزمِ شہیداں لے کر
ہمقدم نصرت و یک جیشِ رفیقاں لے کر
آبلہ پا طرفِ سرد و سوئے تاک چلے
ناصرِ مصر کے ہمراہ جگر چاک چلے
جانبِ قصرِ شہی فوجِ ظفر موج بڑھی
مُورِ بے مایہ ادھر تختِ سلیمان پہ چڑھی
آخرِ شب درِ سلطاں پہ یہ بیتاب ہجوم
صبح ہوتی ہے لرزتے ہیں وہ مہتاب و نجوم

داد اس طور سے لی قوم کی جاں کاہی نے
رکھ دیا پاؤں پہ سر فرقِ شہنشاہی نے

عید کا جشن ہے اب سوختہ سامانوں میں

آج پیغام بہاروں کے ملے ہیں کیا کیا
سرِ ہر نوکِ گیاہ پھول کھلے ہیں کیا کیا
نیل کی ناچتی لہریں یہ ہوائے صحرا
مسکراتی ہوئی یہ مصرِ معلّے کی فضا
مل گئے کھوئے ہوئے گیت حسیناؤں کو
آئینے آج بلاتے ہیں زلیخاؤں کو
قافلے کالی گھٹاؤں کے اترتے دیکھو
خم ہر زلف کو رہ رہ کے سنورتے دیکھو
شبنمیں لے کے جلو میں جو صبا آتی ہے
صحن گلزار میں مقیش اڑا جاتی ہے
ہُن برسنے لگا اجڑے ہوئے بازاروں پر
مصقلہ نور کا ہونے لگا دیواروں پر
جل اٹھے سونے مکانوں کی منڈیروں پہ چراغ
مٹ گئے برسوں کی ناپاک روایات کے داغ
قہقہے عصمتِ معصوم کے اب دیکھو تو
مسکراتے ہوئے یہ پھول سے لب دیکھو تو

آج ہر بندۂ مظلوم کی بن آئی ہے
ہر طرف رونقیں ہیں انجمن آرائی ہے
صلۂ حوصلہ و صبر و صداقت دیکھو
اے شہیدانِ وفا اجرِ شہادت دیکھو
جو ترستے تھے پئے پارۂ یک نانِ جویں
آج وہ کتنے خزانوں کے ہیں مختار وامیں
زندگی جن کے لئے جوئے تنک آب رہی
حکمراں سلطنتِ نیل کے ہیں آج وہی
دستگیں ان کے دوا سے پہ جہاں دیتا ہے
کوئی اب آئے تو وہ خطرِ اماں لیتا ہے
موت ان لوگوں کے سائے سے بھی کتراتی ہے
زندگی ایک حسیں دور کے گن گاتی ہے

نیل کی چھوری الھڑ گوری جوبن پہ اترائی
گورا مکھڑا بانکے نیساں باتوں میں ابلائی
ماتھے چاند تو ٹھوڑی تارا دیکھے پاک خدائی
گدری چھتیاں چال منوہر صدقے بے پروائی
ناز انداز انوکھے اس کے سندر سن سودائی
مانگ مال گلے میں ڈالے بانکی چھب دکھلائی

جھم جھم جھم جھم جھالا جھلکے سینہ تختِ سبائی
منڈل باندھے چھم چھم ناچے چکر کمر لہرائی
من کی بینا باجے گاجے سانسوں میں شہنائی
رُوپ بہ رُوپ انوکھا اس کا جو دیکھے سودائی
لاج کے بیری کر کر ہارے چالاکی چترائی
منت، عرض، خوشامد، لالچ، چھل بتیاں ہترائی
نیل کی الھڑ بیٹی لیکن مطلق ہاتھ نہ آئی
اور پھر کھیل جو ہوئی کھیلی فلک نے آفت ڈھائی
جان کے لاگو بحری ڈاکو دھر دھمکے بلوائی
بکتر بند سپاہی لاکھوں عیسائی موسائی
لشکر عسکر فوجیں توپیں ٹینک جہاز ہوائی
بستی بستی وادی وادی گھر گھر آگ لگائی
کھیت جلے غنچے سنولائے ایک تباہی چھائی
نیل کے بیٹے رن میں کودے کیا شہری صحرائی
تاجوروں کے مدِ مقابل دیکھو بے ہمتائی
یہ وحشی یہ چور اچکے، گٹھ کتروں کے بھائی
بچے بوڑھے جان پہ کھیلے سہہ گزرے سر آئی
توپوں ٹینکوں بمباروں سے کیا رکتے مولائی
جنگ لڑے اور ایسی یارو دادِ نبیؐ سے پائی

مصر

اہلِ ستم کی محفل محفل خوب ہوئی رسوائی
واہ ناصر یہ تیری ہمت یہ تیری دانائی

ایک اکیلی جان اُدھر آفات کی صف آرائی
دنیا تجھ کو دیکھ رہی ہے شرمائی شرمائی

نیل کی بیٹی بچ نکلی ناکام گئے بلوائی
جعفر طاہر حکمت کوئی اک بات کریں سن بھائی

پربت پربت راکھ ہوا ہے بھڑکی ہے جب رائی •

عرب

یہ ایک صحرائے لق و دق ہے
نہ موجۂ ابر نے شفق ہے
رواں دواں ندیاں لہو کی
اجل کا دیکھو تو رنگ فق ہے
یہ ملک ہمدرس آفتوں کا
یہ ملک شعلوں کا ہمسبق ہے
یہاں دلِ دہر پارا پارا
بیاضِ ہستی درق ورق ہے
اور اس خرابے میں
سالہا سال سے اکیلا
خوشی خوشی پھر رہا ہے دیکھو
یہ جانور یہ عجیب خلقت، طویل قامت
کوئی بھی کل تو نہیں ہے سیدھی
شریف و سادہ مزاج لیکن
یہ بغض و کینہ میں بھی یگانہ ہے

پیار کرتا ہے
اور پیاروں کو جان سے بھی ہے مار دیتا
یہی عرب کا مزاج ہے
فطرتِ ستم آفریں صحرا،
یہی وہ صحرا ہے جس کے ذروں میں جوہرِ تیغِ تند کی تلخیاں رچی ہیں،
یہ ہر طرف ریگِ سخت کی سرمئی فصیلیں
یہ سدرۃ المنتہیٰ کو چھوتے ہوئے بگولے
یہ سرخ شعلوں کے پیڑ
خاکِ دُرشت کے سینہ سوختہ کوہسار
یہ سنسناتے تیروں کی آندھیاں
آتشیں سنانوں کی لہلہاتی رَویں
سوادِ سیہ سہامِ اجل، یہ سر ہر گرفتہ راہی
نہ جانے اس دشتِ غم کی بے فیض وسعتوں میں کہاں رواں ہیں
یہاں تو دھرتی کے گرم سینے سے ایک لاوا نکلتا رہتا ہے جس میں
اونٹوں کے بھاری پنجر،
نجیب گھوڑوں کے استخواں
کتنے کاروانوں کی ہڈیاں کھول کھول کر ریت بنتی رہتی ہیں
آتشیں ریت
جس کے ہونٹوں پہ خون کی پپڑیاں ہمیشہ سے جمتی آئی ہیں

اور جمتی رہیں گی لیکن
یہ اہلِ دل بھی عجیب انساں ہیں
دیکھیئے اس مہیب دوزخ میں کس عقیدت سے گرم رو ہیں
مرا یقیں ہے کہ آدمی
جنتوں میں جانے سے پیشتر کتنے دوزخوں کے عذاب سہتا ہے
پائے پر آبلہ
لبوں کے تپکتے چھالے
نئے اجل کے بھرے پیالے
زباں زباں سوکھ سوکھ کر کاٹھ ہو گئی ہے
افق کے اُس پار
لہلہاتی ہوئی کھجوروں کے جھنڈ
ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے کاغذ پہ کالے دھبے
وہاں پہ چشمے بھی ہوں گے
خیمے بھی ہوں گے
جن میں عرب کی سلمائیں
نجد کے معتبر قبیلوں کی مہ لقائیں
کئی حسینائیں ـــــ سرو قامت، شگفتہ چہرہ، کشادہ پہلو
حنائی ہاتھوں میں دف اٹھائے
ہتھیلیوں پر سبو سجائے

عرب

وہ بابِ خیمہ پہ آنے والوں کی منتظر ہونگی
کوئی خوش بخت قافلہ بھی یہ پہنچ تو پائے
یہ وادیٔ خار و آبلہ عرصۂ اجل مرحلہ عجب ہے
یہاں جبینوں سے چاند اُگتے ہیں
کاکلوں کی گھٹائیں کھل کر برستی ہیں
دامنوں کی شکنوں میں شمعیں جلتی ہیں
پھول کھلتے ہیں
آستینوں سے بجلیاں کوندتی ہیں
بانہوں کے زور سے چھوٹتے ہیں فوارہ ہائے سیمیں
گداز رانوں سے پھوٹتے ہیں طرب کے چشمے
سلگتے ذروں کو شبنمیں ہنس کے چومتی ہیں
بہار آئینہ دیکھتی ہے
جہانِ انوار ہے کہ صحرا ہے کیا بتائیں
سفید، اجلے، کھلے لبادوں کے دائرے
نیم وا قباؤں کے بہتے گھیرے
یہ ریشمیں ظلمتیں، لپکتے ہوئے سویرے
یہاں سرِ شام
زندگی جاگتی ہے
گاتی ہے بادِ صحرا

وہ جانبِ خیمہ پہ آگ روشن ہے
راہ گم کردہ کارواں
آگ دیکھ کر اس طرف ہی آئے
یہ آگ جو زندگی کی معصوم روشنی ہے
یہ آگ جو سوزِ آرزو و نورِ آگہی ہے
جو دین بھی اور دیں نما بھی
کہیں صنم تو کہیں خدا بھی

جاگ اٹھا ہے اب تو یہ سنسان صحرا دیکھنا
نور کا بہتا ہوا ہر سمت دریا دیکھنا
دف بکف نغمہ بلب یہ صف بصف محشر خرام
ناچتے گاتے نسرتے سروِ صحرا دیکھنا
ان سیہ آنکھوں میں صحراؤں کی ساری شوخیاں
کانپتی پلکوں کے اندازِ تمنا دیکھنا
سیمگوں سینوں کے سورج شادماں چہروں کے چاند
نور کی پیشانیاں یہ روئے زیبا دیکھنا
ان لبوں میں چشمہ جاں بخش کی شیرینیاں
سوختہ جاں تشنہ لب کرتے ہیں کیا کیا دیکھنا
پھول سے رخسار گلہائے بیابانِ جمال
یہ فضائے دشت یہ غنچوں کا کھلنا دیکھنا

مرمریں بانہوں میں خوابوں کا جہاں سمٹا ہوا
ٹوٹتی انگڑائیوں سے حشر برپا دیکھنا
سرمۂ چشم غزالاں گردِ پائے دلبراں
آئینہ ساماں ہے اُس پر ہر کفِ پا دیکھنا
ہائے بل کھاتی ہوئی پتلی کمر یہ چال ڈھال
بچ کے تلواروں کی زد سے ان کا جلوا دیکھنا
جھومتے ہیں وجد میں صحرائیانِ شادکام
رقص کرنے کو اٹھی ہے تن کے لیلےٰ دیکھنا
گھنگھروں کی تیز جھنکاریں یہ زنگولوں کی تال
گت کا توڑا دیکھنا گردن کا ڈورا دیکھنا
مرمریں بانہوں کے خم آغوش میں ڈھلتے ہوئے
کھنچتی ہیں انگلیاں، ہجراں کا نقشا دیکھنا
یہ سلامِ شوق میں جھکتا ہوا سارا بدن
جنبشِ ابرو یہ آنکھوں کا اشارہ دیکھنا
اس طرف خیموں کے پیچھے دو دلوں کی دھڑکنیں
ریشمیں سرگوشیاں، حُسنِ تقاضا دیکھنا
یہ گریبانوں میں خنجر لے کے چلتے نازنیں
یہ شہیدانِ وفا کا مر کے ملنا دیکھنا
دور اک ٹیلے پہ کوئی چیختا ہے بھیڑیا
کانپتا ہے بکریوں بھیڑوں کا گلہ دیکھنا

مشعلوں کی روشنی شعر و سخن کی محفلیں
ذکرِ امرا القیس یہ تعریف طرفہ دیکھنا
علقمۃ الفحل کا کرتا ہے کوئی تذکرہ
عنترہ کا کوئی پڑھتا ہے قصیدہ دیکھنا
داستاں گو اک طرف قالین پر بیٹھا ہوا
کھینچتا ہے کس طرح لفظوں میں نقشہ دیکھنا
باغِ دبستان در بغل غارتگرانِ روم و شام
یہ دکھائے گا ابھی مصر و بخارا دیکھنا
خوبرو شہزادیاں، کاخِ طرب، بزمِ وصال
اس کے اعجازِ بیاں کا اب تماشا دیکھنا
معرکوں کی داستانیں سینکڑوں جنگوں کا حال
اب سنانوں کا سماں، لشکر کا دھاوا دیکھنا
خیمہ در خیمہ جہانِ رنگ و بُو گاتا ہوا
ہر قبیلہ شان سے ہے بزم آرا دیکھنا
اب سموم و صرصرِ سوزاں نہ وہ صحرا کی دھوپ
کاکلوں کی رات یہ سامانِ صہبا دیکھنا
مستیاں رعنائیاں یہ قہقہے یہ زمزمے
یہ حدی خوانوں کے سُر یہ لحنِ یکتا دیکھنا
نصف شب بیرونِ خیمہ آکے اُترے میہماں
مرحبا کہہ کر اُٹھا شیخ قبیلہ دیکھنا

جو بھی حاضر تھا وہ سب کے سامنے لا کر رکھا
ان کا شیوہ ہی نہیں اپنا پرایا دیکھنا

غیرتِ قومی کے پیکر، خودنگر، بانکے جواں
وقت کے تیور سمجھ کر ان کا چہرا دیکھنا

یہ عرب کی عزتوں کے عظمتوں کے پاسباں
بے نیازی سے نہ تم ان کو دوبارا دیکھنا

یہ عرب کے شیر ہیں ان سے عرب کا نام ہے
سر جھکا کر جانب پیرانِ دانا دیکھنا

گوشۂ صحرا امینِ حرمتِ شامِ وصال
اور یہ معشوق بھی ہونگے نہ رُسوا دیکھنا

رات اب ڈھلنے لگی سونے لگے پیر و جواں
اب لگا گرنے وہ ہر خیمے کا پردا دیکھنا

اب نہ دیکھو گے کبھی اے ہمدمو یہ صورتیں
دیکھ لو جی بھر کے پھر ہوگا نہ ان کا دیکھنا

چاندنی پڑھنے لگی ہے ان کا نوحہ دوستو
صبح کے تارے کا وہ رہ رہ کے تنہا دیکھنا

○

بیداغ الفتوں کی حکایات کیا ہوئیں
اے بنتِ عم بتا وہ روایات کیا ہوئیں

خندہ دہن پہ مہر بلب دو دلوں کے پاس
خیموں کی اوٹ میں وہ عشیرات کیا ہوئیں

جن کی نظر نظر تھی عیارِ ضمیر و ذوق
یوں عام تھیں نہ جن کی عنایات کیا ہوئیں

خنجر نکل پڑے جو کیا عرضِ اختلاط
عہدِ نشاط کی وہ رسومات کیا ہوئیں

ہنگامِ وصل بھی وہ قبیلے کا احترام
حسنِ غیور وہ تری عادات کیا ہوئیں

گستاخ دستیوں پہ وہ باہم لڑائیاں
پابندیاں بوقتِ ملاقات کیا ہوئیں

وہ ہر خوشی کے وقت بھی احساسِ آبرو
وہ حرمتِ خیام و حجابات کیا ہوئیں

جن کے دل و نظر میں ہنسائیں گڑی رہیں
زندانِ ہجر کی وہ اسیرات کیا ہوئیں

وہ بانوانِ شعر پرست و سخن شناس
قولِ حکم تھی جن کی حسیں بات کیا ہوئیں

جن کے حضور علقمۃ الفحل بے زباں
وہ صدرِ بزمِ شعر و کرامات کیا ہوئیں

وہ دینِ جاہلی کے پیمبر کہاں گئے
یارب وہ نانوشتہ شریعات کیا ہوئیں

عرب

لعلِ رَوانِ یار کے وہ گیت کیا ہوئے
وہ نظمِ شکّرینہ کی ابیات کیا ہوئیں

وہ حسنِ بنتِ عم کے ثنا خواں کدھر گئے
آپس کی اُلفتیں وہ خصومات کیا ہوئیں

مہماں نوازیوں کے وہ ہنگام کیا ہوئے
واماندگانِ رہ کی مدارات کیا ہوئیں

ناقے تو ہیں مگر وہ حدیٰ خوانیاں کہاں
تھی جن کے دم سے شورشِ نغمات کیا ہوئیں

وہ دلبرانِ دشتِ وفا کس طرف گئے
لیلیٰ رخانِ نجد و مضافات کیا ہوئیں

ثہمد کا وہ مغنیٔ خوش رو کدھر گیا
وہ لاشِ بے کفن پہ لبیبات کیا ہوئیں

اے خاکِ رقمتین بتا کیا ہوا زہیر
وہ حولیاتِ حسن کی آیات کیا ہوئیں

ہائے کہاں گئے وہ سناں بن ہرم سے لوگ
اس بحرِ بیکراں کی عنایات کیا ہوئیں

جن سے خجل سدیر و خورنق کے ماہتاب
وہ حوریانِ خلد خرابات کیا ہوئیں

اب ذوالقروحہ سے وہ غریب الوطن کہاں (ق)
وہ بانوانِ روم و تسبات کیا ہوئیں

وہ عمرِ مختصر میں ابد آشنا رفیق
ہمسائیگی کا ناز وہ جارات کیا ہوئیں

تیمارداریوں کے تقاضوں کو کیا ہوا
وہ بے نیازیوں کی شکایات کیا ہوئیں

بیمار انکھڑیوں کے وہ اشعار کیا ہوئے
وہ لوحِ دشتِ دل پہ عبارات کیا ہوئیں

صحرا کی چاندنی میں دھڑکتے ہوئے وہ دل
پیمانِ آرزو کی وہ ساعات کیا ہوئیں

کس سمت مہوشانِ جزیرہ چلے گئے
ہائے وہ باکراتِ ربیعات کیا ہوئیں

خوبانِ دارِ جلجل و حومل کہاں گئے
سکتہ اللوے بتا وہ عنیزات کیا ہوئیں

خیموں پہ جن کے رات کو درباں تھا ماہتاب
اے جوفِ عبر تیری عقیلات کیا ہوئیں

آہو پرستگاں نے سنا تھا نہ جن کا نام
اے دادِ ذی حسم وہ غزالات کیا ہوئیں

سرحاں کی ساحرات نہ خوش خلق سامرات
وہ ساقیات و صاحب کاسات کیا ہوئیں

ہیں کس لئے خموش جنون و صفا کے لوگ
وہ کشتگانِ غم کی انیسات کیا ہوئیں

عرب

طاہر عکاظ ہے نہ غزالان ذوالمجاز
وہ صورتیں اے گردشِ حالات کیا ہوئیں
یہ دن ہیں جیٹھ ہاڑ کے شباب پہ ہیں گرمیاں
سلگ رہی ہیں گھاٹیاں بھڑک رہی ہیں وادیاں
تمام دشت جل اٹھا الحفیظ و الاماں
مگر ادھر وہ کون ہے
نیا بشر وہ کون ہے
نہ تاک سبز و سایۂ شجر نہ جوئے آب ہے
نفس نفس عذاب ہے نظر نظر عتاب ہے
جدھر جدھر نظر کرو طلسم صد سراب ہے
مگر ادھر وہ کون ہے
نیا بشر وہ کون ہے
وہ کون ہے وہ کون ہے سموم بے پناہ میں۔
وہ ریگ زارِ حشر میں اجل کی جلوہ گاہ میں۔
الٰہی قتل گاہ میں وہ دشتِ بے پناہ میں
مرے خدا وہ کون ہے
مرے خدا وہ کون ہے
برس رہی ہے آگ تپ رہے ہیں ارض و آسماں
پگھل رہی ہیں استخواں چٹخ رہی ہیں ہڈیاں
لبوں پہ آگئی ہے جاں مگر یہ بانوے جواں

مرے خدا یہ کون ہے
مرے خدا یہ کون ہے
یہ راہ بھول کر غریب کس طرف کو آگئی
وہ ہانپنے لگی وہ ڈگمگائی لڑکھڑا گئی
جھکی گری اٹھی بڑھی وہ موت سر پہ آگئی
مرے خدا یہ کون ہے
مرے خدا یہ کون ہے
اجل کی شعلہ باریاں پھر اس پہ خارزار بھی
ستم کہ اس کی گود میں ہے طفلِ شیرخوار بھی
یہ مامتا کی بے بسی یہ فرض کی پکار بھی
مرے خدا یہ کون ہے
مرے خدا یہ کون ہے
وہ طفلِ شیرخوار اب رگڑ رہا ہے ایڑیاں
لبوں پہ جان آگئی وہ لے رہا ہے سسکیاں
لٹا کے اپنے لال کو وہ لے رہی ہے ہچکیاں
مرے خدا یہ کون ہے
مرے خدا یہ کون ہے
یہ کیا کہ دوڑنے لگی پسر کو چھوڑ چھاڑ کر
جھپٹتی پھر رہی ہے شیر کی طرح دہاڑ کر
پہاڑ رکھ دے نہ کہیں زمیں سے اب اکھاڑ کر

عرب

مرے خدا وہ کون ہے
مرے خدا وہ کون ہے
نہ تن بدن کا ہوش ہے نہ اپنی موت کا ہے ڈر
یہ حشر کا سماں یہ دھوپ الحفیظ والحذر
مگر وہ دوڑتی ہے پابرہنہ و برہنہ سر
مرے خدا وہ کون ہے
مرے خدا وہ کون ہے
وہ ٹیکروں کو پھاندتی پھلانگتی ہوئی بڑھی
وہ تپتے پتھروں سلگتی چوٹیوں پہ جا چڑھی
جو اپنے لال کا خیال آگیا پلٹ پڑی
مرے خدا وہ کون ہے
مرے خدا وہ کون ہے
عقاب کی طرح اُڑی فضائے شعلہ کار پر
پہنچ گئی پہنچ گئی وہ اپنے شیر خوار پر
پلٹ کے پھر اُڑی کہ لگ گئے ہوں چار چار پر
مرے خدا وہ کون ہے
مرے خدا وہ کون ہے
وہ ریت کے حصارِ آتشیں سے اب اُتر گئی
سلگتی گھاٹیوں سے چیخ چیخ کر گزر گئی
تلاشِ آب میں کبھی اِدھر کبھی اُدھر گئی

عرب

مرے خدا وہ کون ہے

مرے خدا وہ کون ہے

وہ دوڑنے لگی ہے مروہ و صفا کے درمیاں
وہ پھر پلٹ پڑی خیال آ گیا جو ناگہاں
اجل کی ریت میں نہ کھو گیا ہو گوہر گراں

مرے خدا وہ کون ہے

مرے خدا وہ کون ہے

تم نہیں جانتے یہ راز یہ اسرار ہے کیا
تم کہ ظاہر کی نگاہوں سے جہاں دیکھتے ہو
تم کہ حالات پہ اسباب پہ رکھتے ہو نظر
دیکھنے کی جو ہیں باتیں وہ کہاں دیکھتے ہو
اور ہر بات سمجھ میں بھی نہیں آنے کی
یہ بھی ہم جانتے ہیں صاحبِ ادراک ہو تم
اپنی فطرت کو سمجھ پاتے تو شکوہ کیا تھا
ورنہ ہم جانتے ہیں فاتحِ افلاک ہو تم
بات تو جب ہے جہاں رہتے ہو اس دنیا میں
کعبۂ شوق ہر اک نقشِ قدم بن جائے
ایڑیاں اپنی رگڑ دو تو ہو زمزم پیدا
اینٹ پر اینٹ جو رکھ دو تو حرم بن جائے

حج کے دن ہیں قبیلے آتے ہیں — مل کے صحنِ حرم سجاتے ہیں
دیوتاؤں کی حمد کرتے ہیں — نازنینوں کے گیت گاتے ہیں
ہر قبیلے کا اپنا اپنا خدا — جس کے پاؤں پہ سر جھکاتے ہیں
میزباں قافلوں کے بنتے ہیں — کاروانوں کو گھیر لاتے ہیں
مہمانوں کی پیشوائی کو — رہگذاروں پہ بیٹھ جاتے ہیں
محفلیں جم رہی ہیں زمزم پر — خوب پیتے ہیں اور پلاتے ہیں
چاندنی رات ہے سرِ کعبہ — داستانِ جنوں سناتے ہیں
تذکرے چھیڑتے ہیں اُلفت کے — اشک آنکھوں میں آئے جاتے ہیں
اُس طرف کتنے قافلوں کے جواں — ہائے کیا لوک گیت گاتے ہیں
ناچتی ہیں شریر سلمائیں — ماہ رُو زمزمے لٹاتے ہیں
رند بھی راہزن بھی عاشق بھی — موت کو آئنہ دکھاتے ہیں
آن پر جان وار دیتے ہیں — آپ کیا ان کو آزماتے ہیں
بارہا یوں پلٹ گیا پانسہ — زن و فرزند ہار جاتے ہیں
جیت جائیں تو صوفیانہ ہنسی — ہارنے پر بھی داد پاتے ہیں
شاعروں میں عظیم تر شاعر — آبروئے سخن بڑھاتے ہیں
اب نہ وہ زندگی نہ وہ صحرا — آپ کیا تذکرے سناتے ہیں
ہائے وہ لوگ مست و کافر لوگ — اب کہاں دیکھنے میں آتے ہیں
دیکھتا ہوں یہ کیسی تصویریں — نقش بن بن کے مٹتے جاتے ہیں
کعبہ کی سمت دیکھتے رہیے — اک نیا رنگ اب جماتے ہیں

انبیاء جھومتے ہیں گردوں پر　　کہ فرشتے زمیں پہ آتے ہیں

زہے تجلائے ماہتابے　　زہے شبِ عیش کامیابے

زہے نشید و نشاط و نغمہ　　زہے صدائے دف و ربابے

زہے صلائے سرور و مستی　　مغنی و شاہد و شرابے

کنارِ کوثر

کنارِ کوثر

کنارِ کوثر

بہ میکدہ ہیں کہ مے پرستاں　　بکف نہادہ مہِ تمامے

گروہ مستاں را پیرِ مے خانہ　　ہم مغانست و ہم امامے

گر ندیدی بخاکِ صہبا　　کنیم چوں سجدہ و سلامے

حضورِ دلبر

حضورِ دلبر

حضورِ دلبر

نہ التہابے نہ اضطرابے　　نہ پیچ و تابِ دلِ خرابے

بہ چشم آں حسن بے حجابے　　بدستِ آں زلفِ مشکنابے

دریں زمانہ بجز فقیراں　　متاعِ جلوہ کسے نیابے

بدستِ اکبر

بدستِ اکبر

بدستِ اکبر

کشودہ آغوشِ نو عروسِ طرب | ز تقریبِ پیشوائے
چراغِ نارسائیٔ دل | چراز خانہ بروں نیائے
بہ مطربہ لطف ہم نشینی | پیالہ گیر از کفِ حنائے

بنامِ داور
بنامِ داور
بنامِ داور

نشستۂ دم گرفتہ در زاویہ | بہ ناطاقتی چہ نازی
بہ میکدہ آکہ تا تماشا کنی | رہ و رسمِ دل نوازی
حدیثِ مہر و وفا، طرازِ دعا و | آہنگِ کارسازی

دمِ قلندر
دمِ قلندر
دمِ قلندر

فروغِ شب دیدۂ شب پاک | ہم سواد ست و ہم سحر ہے[ے]
نقابِ لیلائے قدسیانست و | پاسدار دل و نظر ہے
شبے کہ پیرایۂ فروغ و | ضیائے سیمائے بام و دَر ہے

مہِ منوّر
مہِ منوّر
مہِ منوّر

ے (ہے بمعنی است خود فارسی ہے) طاہر

چہ شب شبِ عید است یاراں — چہ شام شامِ نگار بنداں
شکستِ رنگِ ہوس ندیدی — فروغِ روئے خلوص منداں
نگر شبابِ وفا پرستاں — جبینِ تاباں نگاہِ خنداں

بہار در بر
بہار در بر
بہار در بر

کجا بریسارختِ کاروانے — بیا، دریں شہرِ نازآور
بیا دریں کوچۂ تمنّا — متاعِ درد و نیاز آور
نثار کن جاں بپائے ساقی — حضورِ بندہ نواز آور

حیاتِ مضطر
حیاتِ مضطر
حیاتِ مضطر

ہجومِ خوباں غزل سرائے — سحر نوائے، ہنر فزائے
مغنّیانِ گہر لقائے — وفا نمائے، گرہ کشائے
سحاب بارد شراب بارد — چمن چمن بانگِ چنگ و نائے

فضا معطّر
ہوا معطّر
صبا معطّر

ہوائے سحر و فسونِ زلفِ بتاں — نہادہ ہزار دامے
روش روش رقصِ نو بہاراں — صدائے رنداں بہر مقامے
ورق ورق زمزمہ نگاری — خامۂ گوہریں ستامے

بسانِ نادر
بسانِ نادر
بسانِ نادر

چوں زلفِ شب تا کمر رسیدے — ندائے بخشم بگوش آمد
زخانۂ پاکِ ہاشم ذی حشم — صدائے سروش آمد
نوائے داؤد ہوش بردم — مگر شنیدم چوں ہوش آمد

خدائے برتر
خدائے برتر
خدائے برتر

ہمہ رسولانِ پاک صف بستہ اندو — مصروف حمدِ باری
زفرش تا عرش سیلِ انوار رو — بارشِ لطفِ خاص جاری
طرف طرف حوریاں دویدہ — بدل تمنائے جاں سپاری

با دیدۂ تر
با دیدۂ تر
با دیدۂ تر

بہ صحنِ کعبہ چوں آخرِ شب   جنابِ رُوح الامیں را دیدم
زشوق بر فرشِ نعمت و نور   پا نہادم، قریب رفتم
سلام کردم بگفتم ایں چیست ماجرا   اے رفیق و ہمدم

بگو برادر
بگو برادر
بگو برادر

بگفت اے رندی و خراباتی و سخنگو   زمن چہ پرسی
نظر سوئے شعبِ قریشیاں کن   دریں شرف گاہ از چہ ترسی
ظہور فرما شدے شہِ دوسرا   خداوندِ عرش و کرسی

ترانہ آور
ترانہ آور
ترانہ آور

عجب سحر شد کہ شاہِ والا   بہ دَورِ گیتی قدم نہادے
رئیسِ اقلیم انما   ہاشمی و مکی حرم نہادے
زباں زباں شکرِ ذاتِ باری   جبیں بہ سجدہ صنم نہادے

درودِ سرور
درودِ سرور
درودِ سرور

عرب

حلیمۂ سعدیہؓ و خاتونِ ثوبیہؓ   بشیر داد شہ را
زہے سعادت کہ ہر دو پرداختند   دادار مہر و مہ را
دو دیدنا قہ چوں دید بالائے رحل   سلطانِ دیں پنہ را

بُراق ششدر
بُراق ششدر
بُراق ششدر

زنشۂ عشق شاد کامم   ترانہ سنجم ز فرطِ مستی
چمن چمن مے فشاندہ ام   فارغم ز رنج و ملال ہستی
ثنا گزارِ شہِ زمانم   کہ دینِ من است حق پرستی

زہے مقدّر
زہے مقدّر
زہے مقدّر

سخنورم شاعرم دبیرم   قلندرم عاشقم ندیمم
بہ روحِ پاکاں درود خوانم   کلاہ و کوس و علم نخواہم
شکوہِ قیصر جلالِ کسریٰ   سپاہِ جم ہیچ در نگاہم

منم ابوذرؓ
منم ابوذرؓ
منم ابوذرؓ

دلِ سخن رس ترانہ ہنر کُن — امیرِ افلاک رُخ نمودے
چہ حسنِ رحمت کہ نورِ کامل — بشہرِ ادراک رخ نمودے
چہ قسمتِ خاکدانِ عالم — کہ شاہِ لولاک رخ نمودے

شہِ مظفّر
شہِ مظفّر
شہِ مظفّر

چہ خوش سحر است محرمِ کبریا — شدے رونقِ زمانہ
گدا نوازی و وسعتِ خلق بیں — کہ امروز شد بہانہ
احد شدے احمدِ گرامی — چوں میم بردی تو از میانہ

بہوش بنگر
بہوش بنگر
بہوش بنگر

سخن شناسِ ازل نیَم — تو چہرا بہ نزدِ فقیر آئی
ندیم از کبریائے خود پرس — کار بہ من نیست رہنمائی
نئی خود را ولے شناسم — بہ کسوتِ خاک و کبریائی

بچشم قنبر
بچشم قنبر
بچشم قنبر

گلِ رسالت کہ در گلستانِ　　ایزد پاک بود رستہ
هزار ها سال بود از چشمِ　　انبیا و رُسُل نهفتہ
زہے با آغوشِ پاک و پُر نورِ　　حضرت آمنہؓ شگفتہ

جمیل و خوشتر
جمیل و خوشتر
جمیل و خوشتر

ز تابِ حسنش همہ گلانِ ازل　　چوں پیراہن کتانی
ز دلبری ہیں کہ مے کند ابر　　بر سرِ پاک سائبانی
گلے کہ محبوبِ باغبان است و　　خدا اعجاز باغبانی

بہ ہفت کشور
بہ ہفت کشور
بہ ہفت کشور

ببیں مقیمانِ شہرِ یزداں　　کنید بر کعبہ گلُ فشانی
شکست پندارِ موبدانی　　کہ سرد شد دخمۂ مغانی
دو نیم شد قلبِ قصرِ کسریٰ　　فتادِ ہر کُنگرِ کیانی

شہِ دلاور
شہِ دلاور
شہِ دلاور

زہے ظہورِ جمالِ قدسی   زہے ولادت زہے بشارت
نگینۂ خاتمِ نبوّت   شہنشہِ مسندِ امامت
طرازِ تاجِ ازل   بہارِ ابد مہِ اُوجِ ہر سعادت

اخیُ حیدرؑ
اخیُ حیدرؑ
اخیُ حیدرؑ

ببیں چہ تعبیرِ خوابِ یوسفؑ   ببیں جوابِ دعائے آدمؑ
ببیں لقائے رسول صلعم   شہِ مکرّم شہِ دوؐ عالم
فروغِ چشمِ خلیلؑ و فخرِ کلیمؑ و   سر دادِ ابنِ مریمؑ

شہِ غضنفر
شہِ غضنفر
شہِ غضنفر

ز سطوتِ شاہ ذی حشم   اہلِ کفر و طامات سرفگندہ
ز ہیبتِ ذی جناب دیدی   کہ اہرمن از حرم دَوندہ
زہے وجودِ مبارک و پاک   درمیانِ خدا و بندہ

زہے پیمبرؑ
زہے پیمبرؑ
زہے پیمبرؑ

همه صحابش عظیم و ذیشاں　　وفا طراز و وقارِ ایماں
رفیقِ صدیقؓ بو بکرؓ　　حضرتِ عمرؓ زورِ ناتواں
امیر عثمانؓ کہ مشعلِ شام　　اَز رُخش مثلِ روزِ رخشاں

برنگِ خاور
برنگِ خاور
برنگِ خاور

علیؓ عالی انیس و محرم　　صحابی و بندہ و برادر
امامِ ما تشنگاں کہ　　بردستِ پاک دارد سبوئے کوثر
رواں گرِ ذوالفقار و　　آں لافتیٰ و عقدہ کشائے خیبر

بہارِ بستر
بہارِ بستر
بہارِ بستر

سلام اے تاجدارِ بطحاؐ　　سلام اے سرورِ دو امینے
سلام اے قاضیٔ سپہرِ بریں　　سپہدارِ عدا لعینے
سلام اُے زیبِ سدرۃ المنتہیٰ و　　تزئینِ عرش زمینے

اہم و اکبر
اہم و اکبر
اہم و اکبر

سلام اے حامد و محمدؐ — سلام اے صادق و مسجّل
سلام اے میرِ مجلسِ انبیاؑ و — صدرِ ہزار محفل
مدارِ ہفت آسیائے افلاک و — مرکزِ قاف و کشورِ دل

زمیں را محور
زمیں را محور
زمیں را محور

سلام اے شاہ بحر و بر — اے شہنشہِ عرش آستانے
زفیض شاں مرکبم رسیدہ — با ماہتابے دریں زمانے
ادب کہ آں تاجدارِ دیں — بود برسر عرش جہانے

با جسم اطہر
با جسم اطہر
با جسم اطہر

حضورِ سرکارِ ختمیٔ مرتبت — چوں نذرِ ہنر گذارم
ملائکہ آفریں کنم — چوں قصیدہ نعتیہ بخوانم
قلندرانہ صدا کنم غلغلہ زدم — چار سو فشانم

عبیر و عنبر
عبیر و عنبر
عبیر و عنبر

نگاہ کن رحمتِ تمامے	نگاہ مختار دو جہانے
مگر شمائید صاحب تخت و	عزّ و شانے بہر زمانے
بہ ایں ملنگے بہ ایں فقیرے	بہ ایں غریبے بہ ناتوانے

دلِ تونگر
دلِ تونگر
دلِ تونگر

چوں کردمے سوئے شاہ روئے سخن	سخن گشت دلپذیرے
مدینۃ العلم را پرستم	غلط کہ ترسم ز حرف گیرے
بسایۂ قوسِ پر چسمِ پاک	جائے بخشید ایں فقیرے

بروزِ محشر
بروزِ محشر
بروزِ محشر

گناہگارم سیاہکارم	ز گفتۂ خویش شرمسارم
بجز صحابؓ کبار و آلِ عبّا	وسیلہ دگر ندارم
بدفتر منقبت سرایاں	رقم کنند جبرئیلؑ نامم

غلام جعفرؑ
غلام جعفرؑ
غلام جعفرؑ

عرب

ڈھلنے لگی ہے شامِ فسونگر
اے قلبِ مضطر اے قلبِ مضطر
ڈوبے وہ ڈوبے گردوں پہ تارے
چھپنے لگے ہیں وہ ماہ و اختر
بجھنے لگی ہیں تاروں کی شمعیں
سر در گریباں بیٹھا ہے آذر
ہونے لگا ہے اب تو سویرا
اُبھرا وہ اُبھرا مہرِ منور
فاراں کا ماتھا چمکا وہ چمکا
بدلا وہ بدلا صحرا کا منظر
خورشیدِ تازہ صبحِ درخشاں
دیکھو تو یاراں نیروئے نیّر
اس کی ضیائیں صحرا بہ صحرا
اس کی تجلّی کشور بہ کشور
اس مہر کی ہیں پر نور کرنیں
صدّیقؓ و فاروقؓ عثمانؓ و حیدرؓ
اس کی شعاعیں مقدادؓ و سلمانؓ
اس کی ضیائیں عمّارؓ و بوذرؓ

آؤ سنو تو، آؤ سنو تو
بانگِ بلالیؓ اللہ اکبر
حیدرؓ تا مہدیؑ ان کے ہیں جلوے
حیدرؓ تا مہدیؑ ان کے ہیں مظہر
ان کے دلارے ان کے پیارے
زہراؓ کے جائے شبیرؓ و شبرؓ
حرفِ گذارش اب تو یہی ہے
اے ظلِّ باری اے ظلِّ داور
دن زندگی کے گذرے سو گذرے
کوئی شکایت شکوہ نہ محضر
ایسی بُری بھی دنیا نہیں تھی
اور جو ملا تو بہتر سے بہتر
یہ بخت میرا یہ میری قسمت
تیری حضوری شادی دیگر
حسّانؓ و محسنؒ جامیؒ و قدسیؒ
کتنے سخنور کتنے ثنا گر
ترے جلو میں جب ہوں روانہ
محفل جمائیں بر حوضِ کوثر

یہ حکم دیں آپ رُوحِ الامیں کو
لاؤ کہاں ہے طاہرؔ وہ جعفر
اگر پڑھے تو اپنا قصیدہ
ہم بھی سنیں تو شعرِ قلندر

نئی سحر کی تجلیاں ریگ زارِ بطحا پہ لہلہائیں
دیارِ وحشت کے رہنے والوں پہ رحمتیں کھل کے مسکرائیں
یتیم بچے کے عزم و ایثار نے کیا انقلاب برپا
وہ ظلمتوں کے حصار ٹوٹے گریں فصیلیں ستم کی صدہا

نہ لعل و فیل و فرس نہ کوس و نفیر و تاج و کلاہ و پرچم
نہ ہمنشینے نہ ہمزبانے نہ رازدارے نہ یار و محرم
وہ بے سہارا اگر جس کی یہ آرزو کہ عالم کو دے سہارا
بلندیوں پر چمک اٹھے آدمی کی تقدیر کا ستارا

جو چاہتا تھا کوئی بشر بھی ذلیل و رُسوا نہ ہو جہاں میں
جو سوچتا تھا کہ زندگی کار گر ہو پہنائے کن فکاں میں
یہ کرمکِ نیم سوختہ قدسیوں سے بڑھ کر نظر ملائیں
بشر کے پاؤں پہ مہر و ماہ کیا ہیں عرش و کرسی بھی سر جھکائیں

شبوں کو اُٹھ اُٹھ کے سوچتا تھا کہ آبروئے بشر بچالے
اجل گزیدوں کو جس طرح بھی ہو دامِ آفات سے چھڑا لے
یہ آرزوئے محال کوئی بشر کسی چیز کو نہ ترسے
نئے اُفق سے جو ابرِ نیساں اُٹھے تو سارے جہاں پہ برسے

یہ ہر طرف خانہ جنگیاں یہ بٹے ہوئے سینکڑوں قبیلے
یہ نیتوں میں فتور، دل میں برائیاں، دشمنی کے حیلے
کسی بہانے لڑائی چھیڑیں کسی طریقے سے خوں بہائیں
یہ لوگ جو اپنے بھائیوں کے لہو میں شام و سحر نہائیں

یہ رہ نوردانِ آبلہ پا یہ مے پرستانِ تلخ پیشہ
یہ تشنہ کامانِ سوختہ جاں یہ مردِ صحرا یہ شیرِ بیشہ
کبھی سرِ بزم رنجِ یارانِ رفتہ و ذکرِ عیشِ فردا
کبھی غزل خوانیاں، کبھی ذکرِ حسنِ سلمےٰ و لطفِ عذرا

یہ لوگ دختر کشی کے عادی یہ ظلم و غارت گری کے شیدا
یہ بے سبب شغلِ قتل و غارت گری یہ جوش و جنونِ رسوا
اور اس پہ طرہ یہ قہرمانانِ دشت بندہ نواز بھی ہیں
امین، عادل، سخی، رضاجو، ادیب و دانائے راز بھی ہیں

یہ ظلم و نخوت کے دیوتا آپ مجھ سے پوچھیں تو سحر گر ہیں
کبھی فسانہ سرا کبھی راہزن کبھی نیک راہبر ہیں
کبھی جواں بیٹیوں کو زندہ زمیں میں گاڑیں یہ قبر کھودیں
کبھی شبِ ماہتاب میں یہ جرس کی آواز سُن کے رو دیں

مگر یہ صحرا کی تلخیاں، گرمیاں یہ شبنم کی فیض کاری
غبارِ خونیں یہ نقشِ موجِ بہار، فطرت کی لالہ واری
یہ مژدۂ خرمی و حرفِ حیاتِ نو یہ ہوائے طوبےٰ
مگر تعجب نہ کیجئے گا بھڑک اُٹھے گر مزاجِ صحرا

سموم و صرصر کو راس آتی نہیں دلاویزئی بہاراں
حصارِ شب کی تو آرزو ہے نہ ہو ظہورِ سحر سواراں
مگر مشیّت یہ چاہتی ہے کہ دور دنیا سے ہو اندھیرا
کراں کراں لہلہا اُٹھے اک نیا نرالا سجل سویرا

ہجومِ اعدا یہ گرگ بندی یہ ایک معصوم اک طرف ہے
جو سیلِ ظلمات صف بہ صف ہے تو ماہ بطحا بھی سر بکف ہے
ہزار ہا مشکلوں میں تنہا گھرا ہوا اک یتیم دیکھو
یہ اس کا ماحول اس کے حالات اس کا عزمِ صمیم دیکھو

اور اب یہ عزمِ صمیم ان ظلمتوں کے دل جیتنے لگا ہے
شبِ ستم ڈھل رہی ہے وہ دورِ بے اماں بیتنے لگا ہے
علیؑ عالی نے بھائی کی دوستی کی سوگند یوں اٹھائی
اجل کو آنے لگا پسینہ تڑپ اٹھا عرشِ کبریائی

سلام سلطانۂ عرب حضرت خدیجہؓ کی ہمتوں پر
نبی پہ ایمان لا کے سب کچھ لٹا دیا دیں کی عظمتوں پر
وہ حضرت حمزہؓ دلاور جناب عباسؓ و شیر جعفرؓ
گروہِ احرامیاں بہار و وقارِ کاشانۂ پیمبرؐ

شریک محفل ہوئے ابوبکرؓ و سعدؓ و عثمانؓ سے اکابر
صہیبِؓ رومی و حضرتِ ارقمؓ و عمارِؓ شگفتہ خاطر
پھر ایک دن وہ ہوا کہ سرکارِ دیں پناہ میں عمرؓ بھی آئے
زہے اذانِ بلالؓ کافور ہو گئے ظلمتوں کے سائے

نہ ذلتوں کی سیاہیاں ہیں نہ آفتوں کے زبوں اندھیرے
عرب تو کیا دو جہاں کی آغوش میں اترنے لگے سویرے
خدا کا دنیا کی سمت پیغام آخری اور دلنشیں بھی
یہ ایک آواز جو زمانوں کی ترجماں، دہر آفریں بھی

عرب

یہ بزم جس میں تمیزِ شاہ گدا نہیں ما و تو نہیں ہے
یہاں پہ نام و نسب کی اور ملک و قوم کی گفتگو نہیں ہے
یہاں سفید و سیاہ کچھ اس طرح ملے ایک ہو گئے ہیں
وہ قہرمانانِ تلخ پیشہ وہ ننگِ دیں نیک ہو گئے ہیں

(کورس)

حقاً حقاً حقاً حقاً
صدقاً صدقاً صدقاً صدقاً
حمداً حمداً حمداً حمداً
سبحان الصمد المعبود
سبحان الملک المقصود
سبحان الحق المسجود
انک رب العرش الاعلیٰ
حقاً حقاً حقاً حقاً
صدقاً صدقاً صدقاً صدقاً
حمداً حمداً حمداً حمداً

سبحان الملک القدّوس
ذی الجبروت والنّاموس
رب الکعبۃ والنّاقوس
انت الہادی وانت نصیرا
حمداً حمداً حمداً حمداً

عرب

سبحان الحیّ القیّوم
مبدءِ نعمت والمقسوم
ہادئ، الحاکم والمحکوم
انت وکیلا نعم المولا
صدقاً صدقاً صدقاً صدقا
حمداً حمداً حمداً حمدا
حقاً حقاً حقاً حقا

امنّا واطعنا رسولا
ان ہو الّا وحیٌ یوحیٰ
قاب قوسینِ اَو ادنیٰ
اللہ اللہ اللہ
صدقاً صدقاً صدقاً صدقا
حقاً حقاً حقاً حقا
حمداً حمداً حمداً حمدا

امنّا بالقلب زبورا
صُحفِ ابراہیم وموسےٰ
ہذا قرآناً عربیا
لاریب لاریب فیہا
حقاً حقاً حقاً حقا
حمداً حمداً حمداً حمدا صدقاً صدقاً صدقاً صدقا

عرب

حورٌ مقصوراتٌ حُسنا

انہارٌ جناتٌ طوبےٰ

کل الثمراتٌ مخصوعا

ہذا اجرٌ فوزا لعظمےٰ

حمدًا حمدًا حمدًا حمدا

صدقًا صدقًا صدقًا صدقا

حقًا حقًا حقًا حقا

نخلٌ رمانٌ اعنابا

زیتونٌ زرعٍ میسورا

بادتہ مختلفٌ الوانا

غلمان کاساتٌ قدحا

حقًا حقًا حقًا حقا

صدقًا صدقًا صدقا صدقا

حمدًا حمدًا حمدًا حمدا

سبح اسم ربک الاعلےٰ

سبح اسم ربک الاعلےٰ

سبح اسم ربک الاعلےٰ ....

اب خزاں دیدوں کو پیغامِ بہاراں آیا
گھر کے رحمت کی گھٹائیں سرِ فاراں برسیں
سمتِ کعبہ سے اُٹھا ابرِ گہر بارِ کرم
خاکِ بطحا و مدینہ کا مقدر بدلا
سینۂ دشتِ بلا خیز بنا گلشنِ جاں
اب کوئی گردِ کدورت نہ غبارِ آشوب
بادِ شبگیر کی فریاد و فغاں ڈوب گئی
ڈونگرے مینہ کے برسنے لگے جنگل مہکا
دیکھنا سبزۂ ژولیدۂ بے جاں لہکا
صفحۂ سیم بنی ہر روش و راہ گذار
کوئی ان راہوں پہ زنجیر زناں کیا ہو گا
آب و گِل میں نہ ہوا ہو گا کبھی ایسا وصال
ہر طرف سرو سر افراز نظر آتے ہیں
حُلۂ سبز پہ گیسوئے معنبر کی ہوا
آنکھ انواع گل و لالہ پہ رہ رہ کے نثار
پسِ ہر غنچۂ نو غنچۂ دیگر نگرید
آلِ پیمبر و اولادِ صحابہؓ بینید
گا رہی ہیں بنی بخار کی دوشیزائیں
ہائے یہ زندہ دل و شوخ نظر سلمائیں

گیت سنتے ہیں کھڑے جھومتے ہیں شاہِ اُمم
مرحبا سیدِ مکّی مدنی العربی

مسجدِ شہر میں اصحابِ نبیؐ بیٹھے ہیں
کعبؓ و حسّانؓ سے ہیں شاعرِ غرّا موجود
وہ جو کچھ حضرت عثمانؓ سے پرے بیٹھے ہیں
چہرہ پر نور نظر تند، بلا کے تیور
یہی شمشیر صداقت ہیں یہی ہیں بوذرؓ
صورتیں نور کے سانچے میں ڈھلی ہیں دیکھو
اب جو داخل ہوئے مسجد میں علیؓ ہیں دیکھو
عاشقِ نانِ جویں قلعہ کشائے خیبر
مردِ مزدور و سپہدار و ادیبِ طنّاز
دیکھنا پڑھ کے جو نکلیں گے یہ مسجد سے نماز
ٹوکرا کاندھوں پہ اور دستِ مبارک میں کدال
سوق و بازار میں یہ جستجوئے رزقِ حلال
ایسے انسان مشیت نے بھی کم دیکھے ہیں
مسکراتی ہیں مدینے کی منوّر گلیاں
بو ہریرہؓ کے لطیفوں پہ جواں جھومتے ہیں
موسئے اشعریؓ چپ چاپ چلے آتے ہیں
چھیڑتی ہے جو کوئی شوخ تو ہنس دیتے ہیں

بھولے بھالے سے بزرگوں کا بھلا کیا کہنا
یہ در و بام یہ کوچے یہ حسینائیں یہ لوگ
قافلے مصر و مدائن سے چلے آتے ہیں
شام و ایران سے بھی ان کی تجارت ٹھہری
کارواں ہر طرف و سمت سے آتے ہیں یہاں
یہ دیارِ کرم و راحت و ایمان و اماں
لیجئے وقت نے اک اور وَرَق اُلٹا ہے
ہائے ظالم نے یہ کیا بات پرُانی چھیڑی
ہائے کس دور کی کس وقت کہانی چھیڑی

○

یہ لوگ شہریارِ بزم جانِ دو جہاں رہے
زمیں کے پاسباں رہے دِلوں پہ حکمراں رہے
غمِ حیات کو نہ ان سا کوئی ترجماں ملا
غمِ حیات کے تمام عمر ترجماں رہے
برستی شبنموں کے ساتھ ساتھ مل کے رو دیے
شہیدِ حسن شاخسار و کُنجِ گلستاں رہے
اُڈتی انکھڑیوں پہ بڑھ کے نرم ہاتھ رکھ دیے
نوائے زیرِ لب کبھی سنی تو نوحہ خواں رہے
دلوں کی دھڑکنیں سنیں تو سازِ عیش رکھ دیا
وہ صاحبانِ دل کہ دشمنوں پہ مہرباں رہے

بجھے بجھے دلوں کو سوزِ آرزو عطا کیا
لٹی لٹی جوانیوں کے یہ مزا جداں رہے
مہارِ ناقۂ وفا کو چومتے ہوئے چلے
ہزار محمل پری وشاں کے ساربان رہے
گرجتے بادلوں کڑکتی بجلیوں پہ چھا گئے
برستی بدلیوں کے ساتھ مل کے نغمہ خواں رہے
اُداس راستوں کو ہمکنارِ نور کر دیا
جہاں جہاں پہ مہرو ماہ بن کے ضوفشاں رہے
اُفق اُفق کو حسن و اعتبارِ اُوج دے دیا
نہ پوچھ کون منزلوں میں اہل کارواں رہے
یہ بات راز کی ہے راز کی نہ بات پوچھئے
کبھی نکل کھڑے ہوئے تو پھر کہاں کہاں رہے
رجز پڑھا تو دشمنوں کے دل دھڑک دھڑک گئے
نہ وہ صفیں رہیں نہ وہ ہجومِ لشکراں رہے
یہ بات اب نہ پوچھئے کہ آج ان کو کیا ہوا
یہ لوگ جو حریم کبریا کے پاسباں رہے
نہیں نہیں کہ ان کے پاس تاج و سلطنت نہیں
عرب ہی کیا نہ جس کے پاس پرچم و نشاں رہے
مگر مجھے گلہ ہے سرزمینِ پاک سے گلہ
نہ غازیانِ دیں رہے نہ وہ جواں جواں رہے

عرب

وہی طلسمِ رنگ و بو وہی صدائے ما و تو
یہ ہم کہ خاک ہو گئے وہ تم کہ بدگماں رہے
نہ اتفاق باہمی نہ احترامِ دوستی
ہزار فاصلے دل و زباں کے درمیاں رہے

ببیں ایں کوفتہ بختاں بے زباناں را
ببیں زوال و شکستِ اجل ستاناں را
چہ زہر بادۂ بیرنگ و پُر زیاں ہائے
ببیں کہ میکدہ بے نام و بے نشاں وائے

گرفتہ اند حرم دشمناں بخوئے پلنگ
گرفتہ اند ترا و مرا دریں نیرنگ
بحیرتم کہ دریں وقت مکیاں خفتہ
سُنے تو کون سُنے آہ و زاری کعبہ

نہ ان میں عظمتِ نمرود ہے نہ عزمِ خلیل
فضائیں گرم و تپاں بال سوختہ جبرئیل
عروسِ دجلہ کی زلفیں ہنوز برہم ہیں
بجا فرات کی آنکھیں بھی آج پُرنم ہیں

فغاں کہ تشنہ جگر تشنہ لب مسلمانی
بہ کافراں مئے نابِ سبیلِ سلطانی
مگر سوال یہ ہے کوئی سرفروش بھی ہے
کسی کو آج متاعِ حرم کا ہوش بھی ہے

کوئی حسینؑ بھی اس کارواں میں ہے کہ نہیں
کہو یہ تیر تمھاری کماں میں ہے کہ نہیں
اس ایک تیر پہ ٹھہرا ہے فیصلہ اب تو
کہو حجاز کے لوگو، بتاؤ چپ کیوں ہو
دگرنہ اے ہمہ یاراں ز انتظار چہ سود
بدشتِ مردہ ازیں گردِ بے سوار چہ سود
میں جانتا ہوں
مجھے خبر ہے
کہ ڈھونڈتے پھر رہے ہو تم
آج وہ مسیحا
وہ چارہ گر
جو حیاتِ رُسوا کا بن کے درماں
تمہیں بچا لے
مگر یقیں ہے
وہ پرتوِ خاص ان قضا دوختہ گھروں
ملگجے گھروندوں
اُداس خیموں
سسکتی آنکھوں کو زندگی اب نہ دے سکے گا
حسینؑ ابن علیؑ کو ڈھونڈو

اسی غریب الوطن کو آواز دو، پکارو
بہ ربِّ کعبہ
وہ داورِ انقلاب
وہ قائدِ یگانہ
امیرِ بزمِ حیات و نام آورِ زمانہ
وہی شہیدِ سعید
شمرؔ و یزیدؔ سے
باجِ بے کسی
دادِ بے بسی
اُجرتِ شکیبائی لے گا
اور دیکھنا
بجھائے گا موجۂ خونِ پاک سے تشنگیٔ صحرا
حسینؔ کا عزم
اس کا صبر و ثباتِ بے مثل
جراٴتِ ہر چہ بادا باد و شعورِ یکتا
بنے گا
جاں کاہیوں کا چارا
علاجِ اندوہِ قلبِ کعبہ
دوائے ہر دردِ چیرہ دستی

وگرنہ عمامۂ قضا کے یہ پیچ
فاراں کو آج اپنی گرفت میں لے کے پیس دیں گے۔

وگرنہ یہ لانبی لانبی کاریں
بہشت بستان کی بہاریں
طراوتِ کاکل و کلالہ
بتانِ ہشت و چہار سالہ
ہماری شرمندگی کا باعث تو ہیں
خوشی کا سبب نہیں ہیں
تباہئ رزق و حلقۂ مرگ دیکھتے ہو
گریزِ ابر و ہوائے بستان
ترستا صحرا سسکتے انسان
نہ کیجئے اعتبارِ وعدہ
نہ کیجئے استوار پیماں
غریب کا دین ہے نہ ایماں
مزاجِ صحرا بدل گیا ہے
وہ گرم سورج بھی ڈھل گیا ہے
مگر میں ڈرتا ہوں
آسمانوں میں اور ہی مشورے ہیں
سرگوشیاں خلاؤں کی پُرخطر ہیں

عرب

خدا نکردہ جو قرعۂ فال شرقِ وسطیٰ کے نام نکلا
یہی کہو گے کہ ہم عرب ہیں
بلند رُتبہ ہیں ذی حسب ہیں
یہ قومیت کی عظیم کوشش
نہیں ہے کارِ بزرگ و خوبی
عرب کسی خاص قوم کا
ایک ملک کا نام تو نہیں
ایک دین و دستورِ زندگی کا ہے نام
اک طرزِ فکر و آئینِ بندگی کا ہے نام
ورنہ نہ تم مسلماں نہ ہم مسلماں
محمدؐ مصطفےٰ نہیں تو کہاں کا ایماں
بنائے شکوہ ارادتِ دیں ہے
دیکھتا ہوں کہ اپنے ہاتھوں سے آج حبل المتیں چھٹی جا رہی ہے
کوئی سیاہ دیوار درمیاں ہو رہی ہے حائل،
خدارا ہاتھوں میں ہاتھ دو
دوستوں رفیقوں کا ساتھ دو
انجمن سجائیں
حکایتِ شوق و آرزو آج مل کے دہرائیں، آؤ آؤ
جو دل پہ تنہا گزر رہی ہے سنیں سنائیں

مرے رفیقو
بُرا نہ مانو تو بات پوچھوں
بتوں نے یہ رسم و راہ کیا ہے؟
یہ کیسا آئینِ دلبری ہے؟
یہ دوستی ہے تو کافری کیا ہے؟
دیکھتا ہوں
بتوں کو تم اب رسول کہنے لگے ہو
کانٹوں کو پھول کہنے لگے ہو
اپنی زباں کو اپنے ادب کو پامال کر رہے ہو
کہاں وہ دن
جب شبِ زِفاف اک عروس نے
اپنے شوہرِ نابدار سے
اک محاورہ بے محل سنا تو
حریر و دیبا کی خلوتوں سے نکل کے بھاگی
تڑپ کے چیخی
"قبیلے والو
عرب نہا دو
یہ شخص میری زباں کی توہین کر رہا ہے
یہ واجب القتل ہے

کہ آدابِ لفظ و معنی سے بے خبر ہے"
تم آج اپنی زباں کی تقدیس کو بھلا کر
رسول کہنے لگے بتوں کو
قلمروئے شعر کے شہنشاہ
اتنے بے مایہ تو نہیں تھے
کہ
ان کو اک لفظ کا بدل بھی نہ مل سکا
کون ہوں
مری کیا مجال ہے جو تمھیں سبق دوں
تمھیں زبان و ادب پڑھاؤں
مگر یہ ایک واقعہ ہے
میں نے
مرے رفیقانِ باہنر نے
یہ لفظ جب سے پڑھا ہے اس کا ادب کیا ہے
مگر تمہیں ضد ہے
تم فصیح البیاں ہو
اقلیم لفظ و معنی کے حکمراں ہو
مگر تمہیں اب یہ کون سمجھائے
دین میں شاعری نہیں ہے

عرب

حرم میں تو آذری نہیں ہے
تمہیں یہ ضد بھی ہے
تیل کی بو کو نکہتِ گل سمجھ کے ناچوں
دھوئیں کی ان رنگیلی سسکتی سیہ راتوں میں گیت لکھوں
یہ تیل گر اپنے کام آتا
تو کوئی وجہِ جواز ہوتی
میں ناچتا
اس کی بُو کو عطرِ عروس کہتا
بدن پہ یہ تیل مل کے ان بد دماغ لوگوں سے بات کرتا
جو ہم کو شطرنج کا پیادہ سمجھ رہے ہیں،
مگر تمھیں حکم ہے جلو
تاکہ آج غیروں کے مرمریں ہوٹلوں، فلک بوس ریستورانوں، مہکتی
گلپوش ناچ گاہوں میں ہو اُجالا
جلوگہ صحرا کی دھوپ میں
رات کے سیہ راستوں پہ آوارہ پا، شکستہ نگاہ کیڑوں کو
حاجتِ روشنی نہیں ہے
تمھاری تقدیر میں
گلوں شبنموں تھرکتی ہوئی جنوں خیز خوشبوؤں کی بجائے
لکھا ہے گریۂ تلخ و آہ و زاری

دھویں کی سموم تیرگی میں
بدن کی چربی جلا کے زندہ رہو
کہ زندہ رہے ہو اب تک
جیسے کہ تم
ایک جرعۂ آب و پارۂ نانِ جَو پہ جیتے رہے ہو اب تک
نژاد
اب تیل کے کسی کارخانے کا رُخ کریں
ہمیں بھی وہی ہے کرنا
جو دوسرے لوگ کر رہے ہیں،
وہ تیل کے ڈول بھر رہے ہیں،

چلی مشین چلی
چلی مشین چلی
تھر تھر تھر تھر صحرا کانپے انجن شور مچائیں
بن کے باسی اللہ راسی پیپے بھرتے جائیں
تیل کے سوداگر یہ سب کچھ دیکھیں اور مسکائیں
کس میں ہمت کون تمھیں سمجھائے بڑی بھلی
چلی مشین چلی
چلی مشین چلی

عرب

ٹیلے ٹیلے کے سینے پر بُل ڈوزر چڑھ دوڑیں
البیلے نخلستانوں کی ہڈی پسلی توڑیں
دھرتی کی نس نس رگ رگ سے ہنس ہنس تیل نچوڑیں
مکّے اور مدینے سے آتا ہے قلی قلی

چلی مشین چلی
چلی مشین چلی

وادی وادی لہراتی البیلی مست کھجوریں
چشمہ چشمہ گیت لٹاتی دیس عرب کی حوریں
روئیں جس دم اجنبیوں کی آنکھیں ان کو گھوریں
لیکن دُ: تو بے کھٹکے اب گھومیں گلی گلی

چلی مشین چلی
چلی مشین چلی

ایڑی چوٹی کا یہ غازی سارا زور لگائیں
تیل کے پیپے اور کنستر بھر بھر رکھتے جائیں
جلتی بلتی دھوپ میں دن بھر ایک درہم لے پائیں
کوئی پکارے ربّی ربّی کوئی علیؑ علیؑ

چلی مشین چلی
چلی مشین چلی

عرب

خون جلے جب تیل کی صورت پھیلے نور نرالا
سات سمندر پار کے شہروں میں ہو خوب اُجالا
لیکن یہ وہ دیس ہے جس کا سُورج بھی ہے کالا
شمع سے پوچھو چھوڑ پتنگے کس کے سنگ جلی
چلی مشین چلی
چلی مشین چلی

یہ وہ نگری جس کا ذرّہ ذرّہ نور ذخیرا
یہ وہ دھرتی جس کا پتھر پتھر ہم کو ہیرا
لیکن پیارے لوگو بولو یہ ہے کون وطیرا
میں کہتا ہوں رات ہے تم کہتے ہو رات ڈھلی
چلی مشین چلی
چلی مشین چلی

ساحل نیل سے تا بحرِ عرب شور رہی شور
کون ایسے میں صدا سنتا ہے میرے دل کی
ہاں مگر ایک نئی صبح کی دیتی ہیں نوید
دھڑکنیں سینۂ صحرا کی ہوں یا محمل کی

داستاں گو بھی سرِ بزم تو آ بیٹھا ہے
وقت آنے پہ سنائے گا کہانی اپنی
حضرتِ حق نے زلیخا کو جو بخشا ہے شباب
مانگنے آئی ہے لیلےٰ بھی جوانی اپنی

عراق

مرے رفیقو
مرے محبّو
یہ ایک تصویر تحفۂ چشمِ اہلِ فن ہے
ہوس کی تصویر
جس میں خونِ وفا بھرا ہے
یہ نقش
عبرت کا وہ مرقع ہے
جس کی ہیئت سے خود مصور بھی کانپتا ہے
زبانِ شیوا بیاں لرزتی ہے ایک بوسیدہ موقلم کی طرح
یہ تصویر
جس کی تکنیک
ماورائے شعور و ادراکِ اہلِ دل ہے
مگر تصور کہ
اس گھن کارگاہ میں
اس جہانِ خورشید و ماہ میں

عراق

ایک ذرّۂ نیم جاں کی صورت تڑپ کے آواز دے رہا ہے
یہ سرزمینِ عراق ہے
سرزمینِ رنج و فراق ہے
یہ خرابۂ آرزو
یہ معمورۂ اَلَم
زندگی کی اقدار کا یہ مخزن بھی اور مدفن بھی
ہائے یہ ہنہنگتے گدھوں، چیختے گدھوں کا جہانِ وحشی
جہاں پہ انسان کم ہیں لیکن گدھے زیادہ
جہاں پہ لاشوں کو نوچنے والے گدھ بھی لاشوں سے ہیں زیادہ
یہ دارِ نوحہ
یہ شہرِ ارماں
جو اپنی بدقسمتی پہ روزِ ازل سے روتا رہا ہے۔ روتا رہے گا برسوں
یہ حُسن و مردانگی سے عاری
فتوّت و ہمت و مروّت سے خالی خالی
یہ اپنی تقدیرِ ارجمند و جواں کا وہ ماتمی ہے جو روزِ حشر تک ماتمی بنے گا
ہزارہا سال ہو گئے
کتنے انقلاب آئے
کیا سے کیا ہو گیا زمانہ
مگر نہ بدلی تو ایک وہ خوئے کوفیانہ

یہ لوگ جس کے طفیل دنیا میں سر اُٹھا کر نہ چل سکیں گے
کھنڈر کھنڈر یادگارِ عالم
مکاں مکاں بزم داستاں
اینٹ اینٹ ایک ایک نقش
طغرائے مسندِ روزگار
زیب بیاضِ دوراں
عظیم بابل
یہ شہر جو سات ہزار برسوں کے بعد بھی دل پہ حکمراں ہے
جو لٹ کے بھی جاوداں ہے
ذوقِ غزل کی صورت سدا جواں ہے
یہ جس کی مٹی ہے سرمۂ چشم دلبراں
جس کے بام و در کی لٹی ہوئی روشنی ہے دیدہ وروں کی دولت
لہکتے گلزاروں،
سرمدی وادیوں،
مہکتی ہوئی چراگاہوں،
انجمیں گھاٹیوں،
زمرد جمال پہنائیوں،
فلک بوس مندروں،
پُرجلال آتش کدوں، محلوں کا شہر،

شہروں کا شاہزادہ
سمیریوں، خوبرو، شگفتہ نظر، سیہ بالوں والے روشن ضمیر لوگوں کا
وہ مقامِ حیات
جس کی سنہری اُونچی فصیلوں کے سائے ہیں
جواں دیویوں کی سرگوشیاں دھڑکتی ہیں
مست و رُسوا جوانیوں کی حکایتیں جاگتی ہے
کوئے بتاں، حریم مغاں
ہر رہگذر ہزاروں چراغ روشن
یہ دستگاہِ کرم کہ محلوں کے سائے سائے میں چلنے والے مسافروں پر
بلند غرفوں سے نازنیں پھول پھینکتے ہیں
یہاں پہ نخلِ دعا کی بے برگیوں کا دل کو گلہ نہیں ہے
زہے یہ فیضِ نظر یہ توفیقِ گلفشانی
عظیم تن تر کی شادماں باش و زندہ زے
بابِ ایل
دروازۂ خدا
ایلیا کا یہ کشورِ پُر اسرارِ حسن
معمورۂ محبت
حسین عشتر کا معبدِ پُر بہار
یہ اس کا ہیکلِ زرنگار

مجوبیت کا معصوم استعارہ
فضا نشاط جناں بریگ رواں دہر
ایں ہوائے بالال
شاعراں را زبانِ جادو بیاں دہر
اب جو آ گئے ہیں تو آیئے
سوئے چاہِ بابل چلیں
یہ زندانِ قدسیاں دیکھتے چلیں
ہمدمو، رفیقو!
سنا تو ہوگا جو دخترِ بابل کے ہاتھوں دو عرشیوں پہ گذری
جناب ہاروت اور ماروت کا فسانہ پڑھا تو ہوگا
وہ مشتری جس کا جسم اس ناچشیدہ چشمے کی طرح تھا جس کو برف نے
ڈھانپ ڈھانپ کر
چشم ولب سے ابتک چھپا رکھا ہو
وہ چشمہ گرمی میں جس پہ انگور کی تر و تازہ بیلیں
بے اختیار جھک جھک کے سوچتی ہوں
یہ کتنا تازہ ہے کتنا شیریں ہے کتنا ٹھنڈا!
بدن — فرشتوں کی ہچکیوں پر جو مسکرائے
جو خواب زرخواب سیم لاخوں کی رہ دکھائے
بدن جو اک مرغزارِ نایافتہ کی صورت

چھپے ہوئے گنجِ زراں کی صورت
نظر سے مخفی رہا تھا
دریائے نور کی طرح اب بگا ہوں کے سامنے لہریں لے رہا تھا
وہ قدِ زیبا کہ جیسے سولی گڑی ہوئی ہو
بشر کی صورت میں راگنی سامنے کھڑی ہو
گلے میں کرتی منقش کی سر پہ گھاس کی اوڑھنی لیے تھی
ہر ہفت زیور سے بن سنور کے
قلم نکالی شراب کی محرم طلا کار کی تہوں سے
جمی وہ بزمِ نشاط آگیں
فرات کی لہر لہر مدہوش
چاند حیرت سے ہکا بکا
وہ آسمانوں کے رہنے والے کھنکتی مٹی کی سرگموں،
سُرتیوں میں گم
اور وہ شعبدہ کار بنتِ عشتر
جو ناچنے کو اٹھی تو اُٹھتی گئی، اُبھرتی گئی، بسرتی گئی۔

وہ رانوں کے دَوَر
گردش میں آسماں
وہ گداز باہنوں کے خم
زمین ڈولتی ہوئی

عراق

دوستو
گریباں میں چاند چمکے تو دیکھتے رہ گئے فرشتے
تھرک تھرک کر چلی کہ جیسے
کفِ نظر سے کوئی کرن ہولے ہولے پھسلے
جھکی، طرارہ بھرا، اڑی، آسماں پہ پہنچی
حسیں ستاروں کی سمسرن میں
وہ دیکھیے مسکرا رہی ہے
غریب قدسی کہ جن پہ نزلہ گرا
یہ بے چارے مفت مارے گئے
انھیں یہ خبر نہیں تھی
کہ سرزمینِ عراق
وہ ماہ رو ہے جس کے ضمیر جس کے خمیر میں بیوفائی لکھی گئی ازل سے
یہ بھولے بھالے فرشتے کیا جانتے تھے
لوگوں کا رنگِ پیماں
حنائے ناخن سے بھی زیادہ گریزپا ہے
یہ برجِ بابل
یہ پیچ در پیچ زینہ ہائے عقیقِ رخشاں
یہ منزلیں، خم بخم ابھرتی ہوئی شفق رنگ سیڑھیوں کے بھنور
یہ بامِ فلک پہ اونٹوں کی لہلہاتی ہوئی قطاریں

کمالِ تعمیر دیکھئے گا
یہ برج بلطیس کا سراپردۂ حرم ہے
اَنو کی تقدیس کا اشارا
ایادو مردوخ و بعل کی بارگاہیں
شمس وادادِ کا مسکنِ معلےٰ
وہ سب سے اُوپر کی پاک منزل میں اک مسہری ہے
جس پہ رب العلیٰ ہے سویا ہوا
جو سویا رہے گا صدیوں
یہ سامنے کے پہاڑ پر ایک طویل کتبہ کھُدا ہوا ہے
مقننِ اوّلینِ بابل
شہِ حمورابیٔ جواں کا عجیب فرماں
"یہ میں ہوں اک نامور شہنشاہ جس نے
عشتر کا چہرہ پر نور کر دیا ہے
یہ میں ہوں بابل کا پاک سورُج
اکد و سومر کو روشنی دینے والا میں ہوں
یہ میں کہ عشتر کا ہوں دل آرا
مری اطاعت کرو کہ عشتر مری محافظ مری سلحدار ہے
مری سلطنت، مری بادشاہی سے اس کو عشق ہے
جان لو کہ سِن دیوتا کی یہ پرجلال بیٹی

یہ مندروں خانقاہوں محلوں مکانوں آتشکدوں،
زمینوں، سمندروں نیلے آسمانوں کی حکمراں
مجھ کو چاہتی ہے ————"

یہ عجب لوگ تھے قانون بھی تھے ان کے عجیب
جرم خواہ کچھ بھی ہو، کوئی بھی ہو مجرم کا رقیب
منصب و مرتبہ و شان و شرف دیکھتے تھے
چشمِ الطاف سے قاتل کی طرف دیکھتے تھے
زجر و توبیخ نہ شکوہ نہ شکایت کوئی
چھیڑ دیتے وہ عدالت میں حکایت کوئی
شیشہ و جام میں ڈھل جاتا غریبوں کا لہو
مئے رنگیں میں بدل جاتا غریبوں کا لہو

"حسرتیں اور تباہی میری — ہائے ناکردہ گناہی میری
خیر سے آج ارادے کیا ہیں — خیر کیوں آپ نے چاہی میری
مدعی تم ہو تو انصاف کرو — کون دیتا ہے گواہی میری

(نواب اشک مرحوم)

دعوتِ حق سے نہ بڑھ کر تھی وہاں کوئی خطا
آپ کیا پوچھتے ہیں سلسلۂ جرم و سزا
دیکھئے معرکہ سامانیٔ نمرود و خلیل
یہ چتا شعلوں کی، فطرت کی یہ لالہ زاری

اک پیمبر کے مقابل ہیں خدائی ساری
کربِ تخلیق نئی رُت کی تڑپ پھول ہی پھول
اور نمرود کھڑا سوچ رہا ہو جیسے
جانے اب رنگِ جہانِ گذران کیا ہوگا
قسمتِ کج کلہان، تاجوران کیا ہوگا

حسین۔ پراسرار دیویوں کا یہ شہر دیکھو
فرات کی ناچتی ہوئی لہر لہر دیکھو

یہ خندہ رو عورتیں
شگفتہ مزاج دیہاتنیں

جواں مرزبان

یہ محلوں میں شاد خوارانِ تیز پیشہ
مسی لُلت۔ کامنی۔ کنگ رنگ ناریاں

مالنیں، یہ پنہاریاں

درو بام پر گناہوں کے لہلہاتے ہوئے ہیولے
یہ خوبرو چھوکرے
زنانِ حیا فگندہ کی طرح رختِ حریر پہنے
یہ پشت انداز اپنے بالوں کو رنگ کرتے ہیں
چاہنے والے نوجوانوں کو تنگ کرتے ہیں
کان میں موتیوں کے بالے

یہ مانگ ٹیکا، چمکتے جھالے
گلے ہیں سونے کے ہار
زلفوں کے جوڑے باندھے
لطافت کی ادائیں توبہ
فرات کا پھٹ رہا ہے سینہ
زمیں کی چھاتی دھڑک رہی ہے
چھلک پڑیں آسماں کی آنکھیں
نہ محل باقی نہ وہ فصیلیں
جھنک کے ٹوٹیں وہ دھانی بانکپن
بلند ایوان ریت کا ڈھیر بن گئے
نینوا کی نکہت فروش وگُل خیز بستیاں لٹ گئیں
یہ ویرانیوں کے ملبے
نہ شہر و قریہ کا اب نشاں ہے
فرات صدیوں سے نوحہ خواں ہے
زمینِ مردہ پہ ایک چالاک لومڑی چل رہی ہے دیکھو
یہ حیلہ و مکر و فن کا وہ پیکرِ کمینہ ہے
جس کو اہلِ نظر سمجھتے ہیں
خوب پہچانتے ہیں
یہ بد قدم یہ بد عہد و بد رویہ

یہ بزدل و بدسرشت و مکار جانور
دیکھے تو یہ کس تہور و تمکنت سے چلتی ہے
شیر جس طرح چل رہا ہو
مگر یہ روباہ شیر کب ہو سکے رفیقو
یہ شہر کوفہ ہے
عظمتِ دیں کی برکتوں کا جمیل مامن
قدیم تہذیب کا نمونہ
علیؑ کا دارالحکومت و مرکزِ خلافت
وہ سامنے مسجدِ علیؑ ہے
علیؑ کی اولاد و اقربا کے لہو سے رنگیں
علیؑ کے اپنے لہو سے رنگیں
مگر یہ دیوار و در سے کیسی صدائیں رہ رہ کے آ رہی ہیں
سنو یہ گلیوں سے آج کوفے کی آ رہی ہیں یہ کیا صدائیں

(کورس اُبھرتا ہے)

پہلا ایکٹ پہلا منظر

بازارِ کوفہ

(کورس)

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

غریب لوگو، شریف لوگو

اُٹھو اٹھو اس کی پیشوائی کو اُٹھو اٹھو

گھروں سے نکلو، چلو چلو

دوستو سنو، آرہا ہے وہ آرہا ہے وہ آگیا ہے دیکھو

لوگ حسبنا اللہ حسبنا اللہ

بارک اللہ بارک اللہ

لوگ جاء الحق وزھق الباطل

ان الباطل کان زھوقاً

ان الباطل کان زھوقا

حسبنا اللہ حسبنا اللہ . . . .

اور لوگ مگر وہ رُخ پر نقاب ڈالے ہوئے ہیں کیسا؟

" وہ مُہل مارے ہوئے ہیں کیسی؟

اور لوگ — یہ ہم سے بھی پردہ داریاں ہیں؟
〃 — حسینؑ ابن علیؑ کی ایسی تو تھی نہ عادت،
〃 — نہیں وہ اب دن کی بھی تمازت
〃 — سلام کا تو جواب دیتے!
〃 — زبانِ والا سے کچھ تو فرما کے آگے بڑھتے
〃 — ڈرے ڈرے سے دکھائی دیتے تھے مجھ کو مولا
〃 — غلام خچر کو ہانکتے جا رہے تھے اور وہ
〃 — بس آگے حدِ ادب ہے بھائی!
〃 — یگانگت کے مگر یہ انداز تو نہیں ہیں!
〃 — جو مجھ سے پوچھو تو میں کہوں گا کہ ہم سے دھوکا ہوا ہے یارو
〃 — یہ آنے والا حسینؑ ابن علیؑ نہیں ہے،
〃 — مجھے یقیں ہے،
〃 — تو کون تھا اپنے درمیاں سے ابھی جو گذرا ہے
ہنگامہ — کون تھا؟
〃 — کون تھا؟
〃 — بتاؤ وہ کون تھا جو گذر گیا ہے؟
〃 — کدھر گیا ہے کدھر گیا ہے،
〃 — بتاؤ وہ کون شخص تھا اور کدھر گیا ہے؟

کورس اُبھرتا ہے

عراقی

وہ آ رہا ہے وہ آ رہا ہے وہ آ رہا ہے
غریب لوگو ، شریف لوگو
اُٹھو اُٹھو اس کی پیشوائی کو اُٹھو اُٹھو
وہ آ رہا ہے وہ آ رہا ہے وہ آ رہا ہے،

پہلا ایکٹ دوسرا منظر

مسجد کوفہ

لوگ — یہ شخص ابن زیاد ہے!
" — یہ کہاں سے کوفے میں آ گیا!
" — یہ دمشق میں تھا
" — امیر کوفہ تو بن کے نازل نہیں ہوا
" — جو کہے گا وہ ماننا پڑے گا
" — وہ اب تو منبر سے بولتا ہے
ابن زیاد — ذلیل لوگو
کمینہ اطوار و بد نہاد و
یہ بیعتیں کس کی ہو رہی ہیں
بتاؤ یہ اجتہاد کیا ہے
حکومت شام سے یہ بغض و عناد کیا ہے
یزیدؔ کو جانتے نہیں ہو کہ وہ اولی الامر ہے

خلیفہ ہے

اور جو شخص ماسوائے یزید تختِ خلافت و مسندِ امامت کا مدعی ہو

وہ آج کے دن سے واجب القتل ہے

کچھ لوگ — غلط ہے،

یزید فاسد ہے، بدچلن ہے

وہ دائم الخمر ہے وہ فاسق ہے

اس کی بیعت سے ہم کو انکار ہے

کچھ اور لوگ — یزید اس دین پر نہیں ہے

وہ سخت ظالم ہے ننگِ دیں ہے

وہ منہ چڑاتا ہے عالموں کا

ابنِ زیاد — یہ مسلم بن عقیل اُکسا رہا ہے تم کو

سپاہیو گردنیں اُڑا دو

یہ حکم دیتے ہیں گردنیں مار دو

یہ مسجد سہی، مگر حکمران کا حکم چاہتا ہے

کہ رُو رعایت حرام کر دیں

لہو بہانا حلال سمجھیں

آوازیں — ہماری آواز کا گلا کاٹ دو تو جانیں

قتل و غارت گری کا ہنگامہ برپا ہوتا ہے

کافی وقفے کے بعد

ابنِ زیاد یہ لاشیں تم دیکھتے ہو کوفے کے رہنے والو
تمہارا انجام بھی یہی ہوگا

ورنہ

اب سے یزیدؑ کے نام کا پڑھو مسجدوں میں خطبہ
یزیدؑ کا نام سن کے ناپاک سر جھکا دو
امیر کے دشمنوں سے کوئی نہ ربط رکھو
اٹھو، چلے جاؤ،
جاؤ، اپنے گھروں کو جاؤ......

پہلا ایکٹ تیسرا منظر

کورس اُبھرتا ہے

وہ آرہا ہے
وہ آرہا ہے
وہ آرہا ہے
غریب لوگو ، شریف لوگو
اُٹھو اُٹھو اس کی پیشوائی کو اُٹھو اٹھو
گھروں سے نکلو ، چلو چلو
آرہا ہے وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے
ہانی کا گھر

ہانی کا غلام زید — وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے

ہانی رض — وہ آرہا ہے؛ وہ آرہا ہے

حضرت مسلم رض — وہ آرہا ہے تو کوئی پروا نہیں

حبیب ابن مظاہر رض — ہم بھی ہاتھوں میں کوئی چوڑیاں پہنے تو نہیں

سعید بن عبداللہ حنفی رض — ہم بھی جہاد کرنے کو تیار ہیں جناب

قیس بن مسہر رض — ہم شجاعت کا زمانے کو سبق دیتے ہیں

عبداللہ بن یقطر رض — ایک دن مرنا تو سب کو ہے

جوانوں کی طرح کیوں نہ مریں

طرماح بن عدی رض — ابنِ مرجانہ سے ہم اور ڈریں

حضرت مسلم رض — مسلکِ آلِ پیمبر نہیں امت میں نفاق

عبداللہ بن یقطر — سخت بدعہد ہیں یہ اہلِ عراق

جناب مسلم رض — ہماری بیعت سے آپ اس وقت ہاتھ اٹھالیں

ہمیں شکایت کبھی نہ ہوگی

ہانی رض — یہ غیر ممکن ہے

سعید بن عبداللہ حنفی رض — امامِ عالی مقام کو آپ روک دیں اس طرف نہ آئیں،

طرماح بن عدی رض — زمینِ کوفہ ہے خونِ سادات کی پیاسی

حضرت مسلم رض — مگر یہ وعدے یہ بیعتیں یہ خطوط یہ دستخط یہ پیماں

عبداللہ بن یقطر رض — حضور اہلِ عراق چالاک لومڑی کی طرح ہیں

مُردوں پہ شیر، شیروں میں لاش و مردہ

حضرت مسلمؓ — تو ہم سے دھوکا کیا، دغا کی

(بچوں کی طرف اشارہ فرما کر) شہید ہو جائیں ہم تو ان دو غریب زادوں پہ رحم کھانا

ہانیؓ — غلام زادوں کے ہوتے کس نابکار میں حوصلہ ہے
وہ آپ کی طرف یا ہمارے بچوں کی سمت دیکھے

سعید بن عبداللہ حنفی — خدائے برتر وہ دن نہ لائے مگر کسی نے لڑائی چھیڑی
تو شہر کوفہ میں خون کی ندیاں بہینگی

حضرت مسلمؓ — لڑائی مسلک نہیں ہمارا

ہانیؓ — غلام کا ایک مشورہ ہے

حضرت مسلمؓ — کہو تو بھائی!

ہانیؓ — یہاں پہ ابن زیاد پل بھر میں آرہا ہے
حضور اندر مکاں میں چھپ جائیں
ہم اسے گفتگو میں اُلجھا رکھیں گے
جس وقت بندہ کھانسے، مکاں سے
خنجر بکف نکل آئیں اور دبے پاؤں

حضرت مسلمؓ — آکے پیچھے سے قتل کر دیں
یہی نا ہانی!

سب — جناب تجویز خوب ہے بہترین تجویز ہے

حضرت مسلمؓ — مگر دوستو، یہ ہم سے نہ ہو سکے گا
منافقت سے جو کامیابی ہوئی بھی تو کیا

سب — نہیں نہیں آپ اٹھ کے اندر مکاں میں جائیں

طرماح بن عدیؓ — یہ لیجئے میری تیغ حاضر ہے

قیس بن مسہرؓ — ایک بھرپور وار کیجئے گا

حضرت مسلمؓ — لیکن ..... لیکن .....

ہانیؓ — اور چارہ نہیں ہے کوئی بھی اور چارہ نہیں ہے چلئے...

کورس ابھرتا ہے

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

غریب لوگو ، شریف لوگو

اُٹھو اٹھو اس کی پیشوائی کو اٹھو اٹھو

گھروں سے نکلو ، نکل کے دیکھو

وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے....

دوسرا ایکٹ - پہلا منظر

مسجد کوفہ

اہالیان شہر کا اجتماع - ہانی بھی موجود ہیں

ابن زیاد — ذلیل لوگو

تمہیں خبر ہے کہ مسلم بن عقیل ہانی کے گھر میں ابتک پنہ گزیں ہے

تمھیں کہا تھا کہ جو ہمیں دشمنانِ دولت کی اطلاع دے گا
ہم اسے مالا مال کر دیں گے
آج اعلانِ عام کرتے ہیں
مسلم بنؓ عقیل کو اس کے دونوں بچوں کو قتل کر دو
یہ ہانیؓ بیٹھا ہوا ہے تم اس کا سر اُڑا دو
یہ اہلِ کوفہ کا جرم ہے
اہلِ کوفہ یہ داغ اپنے دامن سے آپ دھوئیں

ایک: حضور، ہانی تو شہرِ کوفہ کی آبرو ہے،
وہ نیک ہے، مردِ نامور ہے
قصور ایسا بھی کیا ہوا ہے

ابن زیادؔ: تم اہلِ کوفہ سے ہو یا باہر کے ہو، بتاؤ،

بہت سے کوفی: جناب یہ شخص اہلِ کوفہ پہ داغ ہے
جانے کس طرف کا ہے
آج مسجد میں اہلِ کوفہ کو آ کے بدنام کر رہا ہے

ابن زیادؔ: تو چل پڑو اس لعین کا سر اڑا دو، ہانی کو قتل کر دو
یہ لوگ مجرم ہیں۔ گردنیں مار دو۔ اٹھو، چل پڑو جوانو...

(ہنگامہ خوں برپا ہو جاتا ہے)

دوسرا ایکٹ   دوسرا منظر

زید ہانی کا غلام بے حد ملول و
غمگین گھر میں داخل ہوتا ہے

حضرت مسلمؓ پریشان نظر آتے ہے اور بچے بھی گھبرائے ہوئے ہیں

زید	ہوس پرستوں نے مل کے ہانیؓ کو مار ڈالا
حضرت مسلمؓ	اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون
زید	آپ اس روز اگر قتل اسے کر دیتے
	کاہے کو آج یہ دن دیکھنا پڑتا سرکار
حضرت مسلمؓ	اپنی غیرت نے حمیت نے گوارا نہ کیا
	آلِ ہاشم کا چلن بھی تو کوئی چیز ہے دوست
	چھُپ کے دشمن پہ کوئی وار بھلا کیا کرتے
	اک نہتے پہ اُٹھا سکتے نہ تھے ہاتھ کہ ہم
	شیر ہیں اور ہمیں آتی بھی نہیں روباہی
زید	زہر کا زہر سے ہوتا ہے زمانے میں علاج
	مکر ہی توڑ ہے مکاری و عیاری کا
	آپ کی دولتِ کوفہ پہ حکومت ہوتی
حضرت مسلمؓ	ہم نہیں وہ جو حکومت کے تمنائی ہوں
	اپنا مسلک ہے کہ جاں دین کی خاطر دے دیں
	ابن مرجانہ تھا اس روز ہمارا مہماں

ہاتھ مہماں پہ اُٹھانے سے حیا آتی تھی

کورس اُبھرتا ہے

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

غریب لوگو شریف لوگو

ہٹو ہٹو بیگناہ لوگو

بچو بچو سامنے نہ آؤ

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے

حضرت مسلمؓ نکل کے دیکھو تو شور کیا ہے؛

یہ کیسی آوازیں آرہی ہیں؛

وقفہ

زید حضور دشمن اکٹھے ہونے لگے ہیں

لشکر سا آرہا ہے

حضرت مسلمؓ ہمیں بھی تلوار ڈھال دیجیے (بچوں سے مخاطب ہوتے ہیں)

"عزیز بیٹو

خدا گواہ ہے

تمھارے مظلوم باپ کی اس میں کوئی بھی تو خطا نہیں ہے
عزیز بیٹو، راضی برضا۔ گلے ملو۔

(دونوں فرزند بڑھ کر گلے سے لپٹ جاتے ہیں)

تم بھی مل کے رہنا ——اسی طرح (گلے سے بچے لپٹے ہوئے ہیں)
کاش ہم تمھیں اپنے ساتھ لائے نہ ہوتے
کیا علم تھا کہ بعیت ہمیں مٹانے کا اک بہانہ ہے
میرے بچو۔ خدا محافظ ہے دشتِ غربت کے بیکسوں کا

(آواز بھرا جاتی ہے)

زید — حضور تلوار ڈھال حاضر ہے

حضرت مسلمؑ — تم ہمارے عزیز بیٹوں کو لیکے اس سمت سے نکل جاؤ
ہم بھی باہر نکل کے لڑتے ہیں
میرے بچو۔ خدا کو سونپا

(باہر سے بیشمار لوگوں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں)

ایک سردار — یہی ہے مُسلمؑ یہی ہے ابن عقیل
کیا دیکھتے ہو، شاباش غازیو
پل پڑو، اسے قتل کر دو، شاباش
مرحبا، مرحبا بڑھو

حضرت مسلمؑ — ایک بات سُن لو، ہماری اک بات سُن لو
اے صاحبانِ کوفہ

تمھارے مہمان ہیں، تمھارے نبیؐ کی اولاد ہیں
تمھارے بلائے آئے ہیں

ایک سردار — قتل کردو

دوسرا سردار — مجاہدو! اس کو ختم کردو
امیر کوفہ سے داد پاؤ

حضرت مسلمؓ — تو آؤ، ہم اتمام حجت بھی کر چکے آؤ

(جنگ اور تیغ زنی جاری ہوتی ہے)

الحفیظ والحذر

آوازیں — الامان والغیاث

ایک سردار — کس میں ہمت ہے کہ اس شیر کو بڑھ کر روکے

دوسرا سردار — تیغزن ایسے بھی ان آنکھوں نے کم دیکھے ہیں

حضرت مسلمؓ — او بزدلو لڑو یہ کہاں بھاگتے ہو تم
یہ ہاتھ ذوالفقار کا روکو تو جان لیں
ہم بھی تمھیں جوان و جگر دار مان لیں

ایک سردار ابن زیاد سے — سرکار اور فوج عنایت ہو اور فوج
مسلم نے اب تو کشتوں کے پشتے لگا دیے

ابن زیاد — لڑتے ہو اک جواں سے کہ لڑتے ہو فوج سے

دوسرا سردار — امداد مانگتے ہوئے آتی نہیں ہے شرم
ہم جس سے لڑ رہے ہیں وہ شیروں کا شیر ہے

جس سمت آنکھ اُٹھتی ہے لاشوں کا ڈھیر ہے'

ابن زیاد — زخموں سے نہ نڈھال ہے اور مضمحل بھی ہے!

دوسرا سردار — لیکن ہمارے پاس وہ ایمان و دل بھی ہے؛

تیسرا سردار — ابنِ عقیل مانا ہوا شیر مرد ہے

بقال تو نہیں بنی ہاشم کا فرد ہے

حضرت مسلمؓ — بزدلو، بزدلو، آؤ لڑو، جنگ کرو

تم بھی کیا یاد کرو گے کہ لڑائی کی تھی

ایک مہمان پہ مسافر پہ چڑھائی کی تھی

تیسرا سردار — کوفیو آگے بڑھو، آگے بڑھو، حملہ کرو

نرغے میں لو، نرغے میں لو

حضرت مسلمؓ — آؤ دل میں نہ کوئی جنگ کا ارمان رہے

اہل دیں لڑتے ہیں کس طرح یہ پہچان رہے

دو تین سردار ابن زیاد سے — امیر کوفہ، کمک کی ہمیں ضرورت ہے

ابن زیاد — وہ اک جوان ہزاروں سے رُک نہیں سکتا

سب سردار — پہاڑ، ذروں کے طوفاں سے جھک نہیں سکتا

ابن زیاد — سُنا تھا جیسے نبیؐ کا گھرانہ ویسا ہے

سردار — مگر کمک کے سوا نہیں کوئی اور چارا

ابن زیاد — کمک کہاں سے ملے تمہیں

دیکھتے نہیں ہو کہ آج کوفے میں لڑ رہا ہے عراق سارا

حضرت مسلمؓ: مہماں پہ وار کرنے کا رکھتے ہو حوصلہ
اے کوفیو، نہ تم سا کوئی ہو گا بے حیا

ابن زیاد: وہ پچھلے پاؤں ہٹتا چلا آرہا ہے
تم اک گڑھا بناؤ
وہ عالمِ غیظ میں ہے
تلوار کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا
اُسے کیا خبر کہ پیچھے گڑھا کھُدا ہے
وہ گر پڑے گا تو مار دیں گے
گڑھا بناؤ، خدارا جاؤ، گڑھا بناؤ

حضرت مسلمؓ: اے کوفیو، خدا سے ڈرو، حشر سے ڈرو
اک بیگناہ کے خون سے لوگو حذر کرو

ایک سردار: اپنے جانباز تو ہٹتے ہی چلے آتے ہیں

ایک سردار: لوگ مرتے ہوئے شیروں سے بھی گھبراتے ہیں

ابن زیاد: وہ گر پڑا گر پڑا گڑھے میں

حضرت مسلمؓ: تم نے مرتے ہوئے انساں سے دغا کی لوگو
کوفیو ایک مسافر سے لڑے تو ہوتے

سرداران لشکر کی آوازیں: اب تو قابو میں ہے، کیا ڈرتے ہو
لوگو دوڑو
کاٹ لو سر اسے پتھر مارو

ابن زیاد — مل کے تلواروں سے مثلہ کر دو

حضرت مسلمؑ — کل من علیہا فان ہ

کُل من علیہا فان ہ

لشکر کوفہ — اللہ اکبر

اللہ اکبر

اللہ اکبر

(نعرہ ہائے تکبیر اور کئی طرح کی آوازیں۔ آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ)

دوسرا ایکٹ — تیسرا منظر

میدان کربلا — شام غریباں

عمر ابن سعدؔ اور شمرؔ وغیرہ کے خیموں میں جشنِ طرب

بپا ہے۔ ایک خیمے میں چند سردار اور سپاہی پی پلا رہے ہیں اور باتیں بھی

کرتے جاتے ہیں

ایک سپاہی — آج کی شب کتنی دہشت ناک ہے

دوسرا سپاہی — ستارے ٹوٹتے ہیں آسماں سے

تیسرا سپاہی — وہ دیکھو لاشوں کے درمیاں بال کھولے کوئی۔۔۔۔

حصین ابن نمیرؔ — نہیں نہیں کوئی بھی نہیں ہے

وہ لاشیں پامال ہو کے مٹی میں مل چکی ہیں

چوتھا سپاہی — فرات کا پانی جانے کیوں سرخ ہو رہا ہے

پانچواں سپاہی — آج ہر سنگ سے ہیں خون کے چشمے جاری

چھٹا سپاہی — بال کھولے ہوئے میداں میں بزرگ . . . .

تیسرا سپاہی — وحشتیں چیخ رہی ہیں کیسی

پہلا سپاہی — ڈائنیں خوف سے کرلاتی ہیں

عمرو بن حجاج زبیدی — سب وہم ہے، کچھ بھی نہیں، لو بادۂ گلگوں پیو اور بھول جاؤ

تم نبی کی آلؑ کے دشمن ہو یا قاتل ہو تم

ہم نے ہی قتل کیا ہے ان کو

تیسرا سپاہی — اپنی تلواروں پہ یہ خون جما ہے کس کا

شیث بن ربعی — یہ تو اک فرض تھا میرے بھائی

فرض انجام دیا ہے تو پشیماں کیوں ہوں

مخفر بن ثعلبہ عائذی — وہ بہادر بھی لڑے ہیں کیا کیا

پانچواں سپاہی — حر کی تلوار نے کس قہر سے کاٹی ہیں صفیں

چوتھا سپاہی — بوڑھے لوگوں نے بھی کیا خوب لڑائی کی ہے

حصین بن نمیر — علی اکبرؑ کی جوانی کا رہے گا افسوس

دو چار سپاہی — لاش پہ بیٹے کی گر پڑتا تھا رہ رہ کے حسینؑ

عزیرہ بن قیس احمسی — وہ مہر نیمروزِ سپہرِ امام تھا

سب سپاہی — سرکار کیا کہا؟

عزیرہ بن قیس احمسی — کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں،

شیث بن ربعی — قاسمؑ جوانِ تازہ رس و خوش خصال تھا

چار پانچ سپاہی: لاش کے تم نے ٹکڑے ٹکڑے اُڑتے دیکھے،

حصینؓ بن نمیرؓ: حرملہؓ کے تیر پہ تو آسماں تھرّا اٹھا

تین چار سپاہی: ایک بچے کی خطا بھی کیا تھی مرے دوستو

عمروؓ بن حجاج زبیدی: حسینؓ کے جانثار وہ ہمدرد خوب تھے

ایسے یکدل و یک نَے بان و یک جان و یک نفس پھر نہ ہونگے پیدا

شیثؓ بن ربعی: قوت بازوئے عباس بھی دیکھی تم نے

مخفر بن ثعلبہؓ عائذی: میں کنارے کی لڑائی میں تھا یارو موجود

دوش پر مشک رکھے جب وہ دلاور نکلا

لشکر شمرؓ نے یہ چاہا کہ بڑھ کر روکے

اس طرف شیر کی صورت وہ گرج کر جھپٹا

اور پھر لوہے سے وہ لوہا بجا ہے پل میں

نہ تو دریا نظر آیا نہ ہمیں گھاٹ ملا

آدھا لشکر تو وہیں خوف سے ہی ڈوب مرا

عمرو بن حجاج زبیدی: حسینؓ کا سرفروش بھائی

خلوص و ہمت کا ایک بے داغ آئینہ

نیک طینتی میں بہار تازہ

سرشت باد سحر گہی سی

شیث بن ربعی: گرا تو بولا

"عزیز بیٹی، سلام رخصت

یہ نارسائی کا ہے تقاضہ کہ ہم یہیں سو رہیں ترے سامنے نہ آئیں
نہ جانے تو جی میں کیا کہے گی
جہاں تلک بن سکا تری مشک کو بچایا
نہیں کہ نیزوں سے ڈر گئے ہوں
جہاں تلک جسم ساتھ دیتا رہا، سنانوں کے زخم کھائے
جہاں تلک دم میں دم رہا ہم لڑے
خدارا، ہماری نیت پہ شک نہ کرنا
عزیز بیٹی، سلام رخصت ——"

چار پانچ سپاہی — موت کی گود میں سب سوتے ہیں
حصین بن تمیرؔ — گیا جو انانِ عرب سوتے ہیں
عزیرہ بن قیس احمسیؔ — یہ کہو خیموں سے کچھ ہاتھ بھی آیا کہ نہیں
تیسرا سپاہی — میرے حصے میں تو دو چادریں آئی ہیں جناب
اپنی اتی کا میں بنواؤں گا ہر دو سے کفن
مغفرت ان کی اسی طرح اگر ہو جائے
عمرو بن حجاج زبیدیؔ — تم بھی ہاتھوں میں لئے تھے کچھ تو
ایک سپاہی — مجھے قرآن ملے تھے یہ جلا ڈالے ہیں
کون میداں میں کتابوں کو سنبھالے سرکار
عمرو بن حجاج زبیدیؔ — ان کتابوں میں رکھا بھی کیا ہے!

(ایک عہدہ دار داخل ہوتا ہے)

عہدہ دار — امیرِ لشکر کا حکم ہے

سب — کیا

عہدہ دار — امیرِ لشکر یہ چاہتے ہیں کہ شمرؔ کے ساتھ اہلِ کوفہ سے کچھ جواں ان کے ساتھ جائیں

سب — کہاں

عہدہ دار — حسینؑ کی اہلبیت کے واسطے خورونوش لے کے جائیں

چار پانچ سپاہی — غلام حاضر ہیں

باقی سپاہی — دیکھنا خالی ہاتھ آتا نہیں رفیقو......

دور ایک آواز آہستہ آہستہ اُبھرتی ہے

اور پھر بلند ہونے لگتی ہے

آواز — "اے کہ ہے ذاتِ احد۔ پاک صمد
خالقِ کونین تو رحمٰن و رحیم ہ
اے کہ اس دن کا بھی مالک ہے کہ جس دن سب کو
اپنے ہر کام کا مل جائے گا بدلہ —— دیکھو"

پہلا ہمراہی — سیدی کس کی یہ آواز ہے

دوسرا ہمراہی — یہ کون ہے میرے آقا

شمرؔ — بات آہستہ کرو اور مجھے سننے دو

تیسرا سپاہی — لہجہ غمگیں ہے مگر پُرتاثیر

چوتھا ہمراہی — درد میں ڈوبی ہوئی ہے آواز

شمر — بات آہستہ کرو، سننے دو

آواز — "اے خدا
ہم تیرے بندے ہیں ٥
تیری بندگی کرتے ہیں ٥
تری ذات وہ ہے
ہم سدا جس سے مدد چاہتے ہیں"——

دوسرا سپاہی — امیر، کوئی بچا بھی کہ سب شہید ہوئے

شمر — حسینؑ کا بیٹا علیؑ زندہ ہے

تیسرا سپاہی — مگر جلے ہوئے خیموں کے آس پاس جناب
وہ ایک سایہ سا رہ رہ کے یوں اُبھرتا ہے
کہ جیسے پہرے پہ کوئی جوانِ لشکر ہو

پہلا ہمراہی — سُنا نہیں کوئی الحمد بھی تو پڑھتا ہے

آواز — "اے خدا خیر و سعادت کی رہِ راست دکھا دے ہم کو
وہ جو اُن لوگوں کی تھی راہ کہ انعام تھا جن پر تیرا
اور اُن کی نہیں جو راہ سے گمراہ ہوئے —— ٥"

شمر — اس مصیبت میں بھی یہ عزم بلند
ایسے عالم میں بھی یہ حُسنِ کلام

آواز — "وہ جو مارے گئے اللہ کی رہ میں انہیں مردہ نہ کہو
وہ تو ہیں زندۂ جاوید

مگر تم یہ سمجھ سکتے نہیں"۔ ـــــــ

پہلا ہمراہی	یہ کوئی بانوئے بیکس تو نہیں ؟
دوسرا ہمراہی	ہائے دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے
تیسرا ہمراہی	سیدی کچھ تو کہیں کون ہے یہ !
شمرِ لعیں	بنتِ حیدرؑ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا
سب	زینبؑ عالیہ پہرے پہ کھڑی ہیں گویا
شمرِ لعیں	غمزدہ بیبیوں سے کرتی ہیں باتیں رُک کر
	پیار کرتی ہیں یتیموں کو کبھی جُھک جُھک کر
چوتھا ہمراہی	آج کی رات غریبوں پہ بہت بھاری ہے
شمرِ لعیں	شام سے پہرۂ زینبؑ بھی مگر جاری ہے
دوسرا ہمراہی	چوبِ خیمہ بھی تو ہاتھوں میں لئے ہے بی بی
سب	کس قدر صاحبِ ہمت ہے علیؑ کی بیٹی
شمرِ لعیں	بات آہستہ کرو اور ذرا سُننے دو
حضرت زینبؑ عالیہ کی آواز	"تو جسے چاہے اسے عزت دے
	تو جسے چاہے اسے ذلت دے
	تیرے ہاتھوں میں یہ طاقت ہے مرے ربِّ قدیر
	تجھ سے امداد کے طالب ہیں یہ درماندہ اسیر ـــ"
شمرِ لعیں	کون بڑھ کر انہیں پہنچائے گا اب طشتِ طعام
سب ہمراہی	آپ ہی جائیں تو بہتر ہو گا

شمرؔ لعین: شرم آتی ہے مجھے ان کے مقابل ہوتے

سب ہمراہی: ہم بھی تو آپ کے ہمراہی ہیں

شمرؔ لعین: مجھے اچھی طرح پہچانتی ہیں، جانتی ہیں
مری آواز پہ معصوم تڑپ جائیں گے
اور زینبؑ بھی تو آخر ہیں علیؑ کی بیٹی
اُن پر جان فدا کر دیں گی
تم جو ہمت کرو

حضرت زینب عالیہ کی آواز: "اے مساکین و یتامیٰ کے اسیروں کے خدا
آج اولادِ پیمبرؐ کی حفاظت فرما
سر پہ چادر ہے نہ شبیرؑ کا سایہ باقی
اک تری ذات ہے اور نام کا پردا باقی

شمرؔ لعین: دوستو تم ہی بڑھو
بڑھ کے صدا دو ان کو
ارے تم سسکیاں بھرنے لگے، تم روتے ہو
آہ و زاری کے لئے عمر پڑی ہے اب تو
آلِ اطہارؑ پہ یہ رات کڑی ہے دیکھو
بڑھ کے آواز دو

سب ہمراہی: شرم آتی ہے

شمرؔ لعین: تین دن سے یہ ستم دیدہ ہیں بھوکے پیاسے

جس طرح بن پڑے اب طشت انہیں پہنچاؤ
باادب ہو کے مقابل جاؤ
اچھا آواز دو
آہستہ سے بڑھ کر آواز ......
قدموں کی چاپ جو آہستہ آہستہ ڈوب جاتی ہے

تیسرا ایکٹ - پہلا منظر
کورس اُبھرتا ہے

وہ آرہا ہے
وہ آرہا ہے
وہ آرہا ہے
غریب لوگو ، شریف لوگو
اُٹھو اٹھو اس کی پیشوائی کو اُٹھو اٹھو
سُنو سنو آؤ دیکھو دیکھو
وہ آرہا ہے
وہ آرہا ہے
وہ آرہا ہے

کچھ لوگ مگر کہاں آرہا ہے؟
" کیا آرہا ہے؟

کچھ لوگ	وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے یہ بات مدّت سے سُن رہے ہیں!
"	حسینؑ ابنِ علیؑ تو مارا گیا ہے پھر کون آرہا ہے؟
دو چار اور	ہمیشہ ایسی صدائیں آتی رہی ہیں اس شہر کے در و بام سے!
"	گلی گلی میں حشر بپا ہے
"	کوچے کوچے ایک صدا ہے
"	نہ جانے یہ راز کیا ہے یہ بات کیا ہے
معلن	وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے
	شریف لوگو، غریب لوگو
	گھروں سے نکلو، چھتوں پہ بیٹھو
	تماشہ دیکھو
	وہ قافلہ وہ لٹا ہوا قافلہ چلا آرہا ہے
بہت سے لوگ	وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے
ایک	یہاں کئی قافلے شب و روز آتے رہتے ہیں
دوسرا	قافلہ ایسا نہ اب تک کوئی آیا ہوگا
معلن	رستہ راستہ لوگو رستہ
بہت سے لوگ	اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعون
معلن	لوگو یہ اہلبیتِ محمدؐ ہیں دیکھ لو
	دیکھو یہ کربلا میں ہوئے قتل سب کے سب
	یہ ہیں جنہیں یزید کی بیعت نہ تھی قبول

مارے گئے ہیں لشکرِ کوفہ کے ہاتھ سے
اہلِ عراق کا یہ حسیں کارنامہ ہے

کچھ اور لوگ — نیزوں پہ کتنے سر ہیں گنو تو ذرا رفیق

معلن — میدانِ کربلا میں بہتر ہوئے شہید
یہ لوگ مانتے تھے خدا اور رسولؐ کو
اصحابؐ و اہلبیتؑ کی سیرت پہ تھے فدا
ان کے لئے یزیدؔ خطاکار شخص تھا
لیکن کئے کی اپنے سزا مل گئی انہیں
یہ ناتواں کہ ہاتھ میں جس کے مہار ہے
اہلِ حرم کی ایک یہی یادگار ہے

کچھ کوئی — دو قدم بھی تو چلا جاتا نہیں ہے اس سے
״ — باپ بیٹا ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے
״ — سر جھکائے ہوئے چلتا ہے اسیر
״ — سر اُٹھاتا ہے تو معصوم لٹک جاتا ہے
״ — پاؤں خوں آلود چہرہ گرد گرد
״ — کربلا سے پا پیادہ چل کے آنا قہر ہے
״ — ننگے سر ہیں بیبیاں اور شہر ہے
״ — سنو سنو کوئی مرثیہ پڑھ رہا ہے ان کا
״ — ہمیں دکھاؤ وہ کون شاعر ہے

کچھ کوفی: کون اس کارواں کے ہمراہ چل کے آیا ہے کربلا سے
" : مگر سُنو تو

دشت سے آئے ہیں محمل دیکھو
راہواروں پہ ہیں قاتل دیکھو
سر کے بل کون چلا ہے ایسے
کون پہنچا سرِ منزل دیکھو
یوں نہ دیکھو سوئے اربابِ وفا
پڑھ کے یٰسین و مزمل دیکھو
سر شہیدوں کے نہیں نیزوں پر
یہ دھڑکتے ہیں جواں دل دیکھو
ہائے یہ قافلہ سالارِ جنوں
پاؤں میں طوق و سلاسل دیکھو
دیکھنا یہ ہے مسیحا اعجاز
آؤ بیمار سے بھی مل دیکھو
عشق میں مرنے کا دعویٰ آساں
مر کے دکھلانا ہے مشکل دیکھو
تشنگی عشق میں بنتی ہے فرات
مسکرا کر سوئے ساحل دیکھو
کون ہیں اہلِ ہوس، اہلِ جنوں

عراق

آؤ فرقِ حق و باطل دیکھو
اک طرف شمرؔ ہے اک سمت حسینؑ
کون ہے کس کے مقابل دیکھو
جان دیتے ہیں بہادر کیسے
منہ کھڑے تکتے ہیں بزدل دیکھو

شمرؔ — قافلہ آگے بڑھے
وقت ہوا جاتا ہے

لوگ — آؤ اس قافلے کے ساتھ چلیں
" — سوئے دربار چلیں

(حضرت علی الحسینؑ کی آواز ابھرتی ہے)

علی الحسینؑ — "لوگو! رسولِ پاک کا چشم و چراغ ہوں
گلہائے کربلا کی محبت کا داغ ہوں
یہ غم نہیں کہ جسم سلاسل سے چھل گیا
"یہ رتبہ بلند ملا جس کو، مل گیا"
پھر مسکرا کے رکھ دیے خنجر کی دھار پر
رکھا مگر نہ ہاتھ پدر نابکار پر
قیدی بنیں، اسیر بنیں، در بدر پھریں
ممکن نہیں کہ بات سے اپنی مگر پھریں

ہم اور یزید نہاد کی بیعت کریں قبول
اتنی تو پست فکر نہیں عترتِ رسولؐ
اہلِ ستم سے تم بھی ستم کا حساب لو
لوگو ہماری طرح اجل کو جواب دو"

پانچ دس کوفی
ہائے قیدی نے یہ کیا باتیں کیں

دو چار
باتیں ہوتی ہیں اسی طرح نبیؐ زادوں کی

شہری
قافلہ آگے روانہ ہو روانہ جلدی
اہلِ دربار بڑی دیر سے رہ تکتے ہیں
قافلہ آگے بڑھے، آگے بڑھے

ایک چھت پر عورتیں محوِ گفتگو ہیں
اے بہن مجھ سے یہ باتیں تو نہ دیکھی جائیں
ہائے سر پر کسی بی بی کے تو چادر بھی نہیں
سلمٰے اس بچی کو دیکھا جو بندھی بیٹھی ہے

شہری
دیر ہو جائے گی رُکتے رُکتے
قافلہ آگے بڑھے قافلہ آگے بڑھے
دیکھنا سر نہ قطاروں سے کوئی کٹ جائے

ایک اور چھت پر عورتیں محوِ گفتگو ہیں
ہائے ہائے یہ کیا ہوا
بیبیو میرا کلیجا تو پھٹا جاتا ہے
شہر پر اب تباہی آئے گی

"
ہائے بچے بلک رہے ہیں چیخ رہے ہیں پانی پانی

" کوئی لائے دوڑ کے لائے پانی پانی

شمر لعین لوگو ہٹ جاؤ ہمیں رستہ دو

شوق سے دیکھو مگر شام ہوئی جاتی ہے

ہمیں دربار میں جانے کی بڑی جلدی ہے

ساتھ ساتھ آؤ مگر راہ نہ روکو لوگو

ایک اور چھت پر عورتیں محو گفتگو | یہی علی الحسینؑ ہے جو مہار تھامے ہوئے کھڑا ہے
اری تم زینبؑ و کلثومؑ کو پہچانتی ہو

ایک "میرا بہنا پاتھا ان دونوں سے

بیٹھنا اٹھنا رہا ہے برسوں

ساتھ ہی کھیلتے تھے، پڑھتے تھے

آج میں کچھ بھی نہیں کر سکتی"

مجھے یہ دھمال پھوٹے دیدوں نہیں ہے بھاتی

ہمارے مردوں نے ظلم ڈھایا

غریب بچوں کا بے گنہ بیبیوں کا ایسا بھی کیا تماشا

شمر لعین لوگو اس طرح نہ رستہ روکو

دیکھو اب دیر ہوئی جاتی ہے

للہ اب سامنے سے ہٹ جاؤ

(حضرت زینبؑ عالیہؑ کی آواز ابھرتی ہے)

حضرت زینب عالیہ "میرے بھتیجے

اسیر و بیمار و ناتواں لختِ جاں

ذرا اونٹ روک لے

اونٹ روک لے میرے لال

تیری غریب پھوپی کو اہل کوفہ سے آج دو چار باتیں کرنے کا

اچھا موقع ملا ہے بیٹے

لوگ قافلہ رکنے لگا ہے دیکھو

" شمر کا رنگ اُڑا جاتا ہے

" لشکری نقش بدیوار بنے جاتے ہیں

" زینبؑ عالیہ اب دیکھیے کیا کہتی ہیں

حضرت زینب عالیہؑ "بتاؤ کوفے کے لوگو ہمیں بتاؤ تو

یہ آہ و نالہ و فریاد ہا و ہو کیا ہے

ہمارے حال پہ رہ رہ کے گریہ و زاری

مگر بتاؤ کہ دامن پہ یہ لہو کیا ہے

نہ تم کرو گے کبھی پاسِ حرمت و ناموس

تمہیں خبر نہیں بیٹی، بہن، بہو کیا ہے

تمہارا حال ہے اس بیوقوف عورت سا

کہ جس نے چار پہر سوت بیٹھ کر کاتا

ہوئی جو شام تو پھر تار تار توڑ دیا

ہماری بات نہ پیماں شکن مگر سمجھیں

بہادروں کی روایات کیا تمھیں معلوم
کہ چاپلوسی میں تم رنڈیوں سے بدتر ہو
ڈرو کہ روزِ جزا اب قریب ہے لوگو
ڈرو کہ روزِ جزا اب قریب ہے لوگو"

بہت سے لوگ — بنتِ حیدر نے کہیں کا بھی نہ رکھا یارو
" — ہم نے کیا ان سے نیکیاں کی ہیں
" — ہم نے تو جان بچائی اپنی
" — ہم نے دھوکا کیا مہمان بنا کر مارا
" — ابے خاموش، یہ کیا بکتا ہے
شمر لعین — قافلہ آگے بڑھے، آگے بڑھے
حضرت علی الحسینؑ — اپنی مرضی پہ ہے موقوف چلیں یا نہ چلیں
لوگ — آپ ارشاد کریں۔ ٹھہریئے ارشاد کریں
حضرت علی الحسینؑ — "زندگی کارگہِ فکر و عمل ہے لوگو

زندگی نام ہے خود وقت پہ چھا جانے کا
ڈھالتا رہتا ہے آہنگرِ شب زنجیریں
اک کرن توڑ کے رکھ دیتی ہے سب زنجیریں
پیرِ ظلمات کھڑا دیکھتا، منہ تکتا ہے
سیلِ انوار کہیں روکنے سے رُکتا ہے
دل اندھیروں سے نہ اُلجھے تو سحر کیسے ہو

عزتِ شیوۂ اربابِ نظر کیسے ہو
دام بردوش ہے پھر شام یہ دیکھو دیکھو
دل پہ آجائے نہ الزام یہ دیکھو دیکھو
تم نے جینا ہے تو جینے کا چلن بھی سیکھو
زندگی چاہو تو جاں دینے کا فن بھی سیکھو"

شمرؑ کوفیو، ان کی یہ باتیں نہ سنو
جان دینا انہیں آساں ٹھہرا
زندگی کچھ بھی سہی پھر بھی بڑی دولت ہے
شام سرمایۂ صد راحت ہے
قافلہ آگے بڑھے

ایک چھت پر عورتیں بھوکے پیاسے قیدیوں کا یہ قافلہ رونما آتا ہے
" کوئی چیز انہیں پہنچائیں
" کیسے لیکن کیسے
" دور سے ان پر خرمے پھینکیں
" بچوں کا صدقہ ہی سہی

حضرت ام کلثومؑ " زنانِ کوفہ
سیاہ دل بانوانِ کوفہ
تمہارے بچوں کا صدقہ ہم پر حرام ہے
گو اسیر ہیں پھر بھی بالاتر ہیں تمام امت سے مرتبے میں

یہی ہیں آداب میزبانی۔
کہ بندِ مہمان پر ہو پانی
گلوئے معصوم حرملہ کے ذلیل تیروں کا ہو نشانہ
جواب دو
اے زنانِ کوفہ جواب دو"

حضرت زینبؑ عالیہ
"کہو کہو ساکنانِ کوفہ
کہو کہ تم میرے پاک نانا کی امت محترم نہیں ہو
کہو کہ اسلام پر نہیں ہو
کہو کہ اُس دین پر نہیں ہو جو دین ہم نے تمہیں دیا ہے
کہو تمہارا خدا کوئی اور ہے
تمہارا نبی کوئی اور ہے
نہیں تو بتاؤ، یہ ظلمِ ناروا کیوں
یہ ننھے بچوں کے ہاتھ پاؤں میں رسّیاں کس لئے بندھی ہیں
اسیرِ بیمار کے گلے میں یہ طوق
پاؤں میں یہ سلاسل
اتارو نوکِ نیزہ سے شہداء کے سر اور دفن کر دو
یہ ننھے بچوں کی رسّیاں کھول دو کہ تکلیف ہو رہی ہے
یہ نرم و نازک کلائیاں چوم لو
مگر کہاں تم میں رحم و شفقت

عراق

جفا شعاران شہر کوفہ
ڈرو خدا کے عذاب سے
روزِ حشر سے،
یوم عدل و یوم الحساب سے ....."

شمر لعین
لوگو کیا سنتے ہو باتیں ان کی
عمر زدہ آپ ہیں کتنے دن کی
بھائی کے غم میں انھیں ہوش نہیں
سوئے دربار چلو رستہ دو
غازیو، آگے بڑھو، آگے بڑھو

کورس اُبھرتا ہے

وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے
غریب لوگو شریف لوگو
اُٹھو اُٹھو اس کی پیشوائی کو اُٹھو اُٹھو
گھروں سے نکلو، سنو سنو دوستو سنو
آرہا ہے وہ آرہا ہے وہ آرہا ہے

تیسرا ایکٹ دوسرا منظر

زمانہ آپ کا اور ہمارا۔ کوفے کا ایک ریستوران۔
ریڈیو پر اعلانات ہو رہے ہیں۔ لوگوں کا مجمع ہے

ایک کوئی — اخی یہ کیا ہو رہا ہے؟

دو چار کوئی — ہمیں بھی بتاؤ نا آخر یہ کیا آ رہا ہے؟

تیسرا کوئی — مری سمجھ میں تو کچھ بھی آتا نہیں اخی!

پانچ سات — جانے بات کیا ہے یہ شور کیا ہے!

معلم — سمجھ کے تم کر بھی لوگے کیا؟

بہت سے کوئی — نہیں مہرباں، تم ہی سمجھاؤ اتو

اور بہت سی آوازیں — بتاؤ نا کیا ہو رہا ہے بتاؤ!

معلم — سنو کہ بغداد جل رہا ہے!

سنو کہ نوشیروانِ عادل کا شہرِ انصاف جل رہا ہے!

خلیفہ ہارون رشید کا گاہوارۂ تخت و سلطنت راکھ ہو رہا ہے!

سنو سنو، شہرزاد کی ہچکیوں کی آواز آ رہی ہے!

سنو کہ حسن و وفا کی وہ معتبر حکایات، الف لیلہ کی وہ جنوں خیز

داستانیں بلک رہی ہیں!

کنارِ دجلہ وہ خوابگوں بستیاں، مچھیروں کے جال، بغداد کا وہ

رومان نواز پل جل رہا ہے!

کچھ کوئی — یہ بات کیا کہہ رہے ہو بھائی؟

" — ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا!!

کچھ اور کوئی — اپنے پلے تو کوئی بات نہیں پڑتی ہے!

" — یار کچھ کھل کے خدا را بولو!

معتصم — سنو کہ بغداد جل رہا ہے!
وہ اولیائے کرام وصاحبدلان والا مقام کا شہر جل رہا ہے!
برامکہ کے عظیم محلات وہ زبیدہؔ کی پاک وپرنور بارگاہیں بھڑک رہی ہیں!
وہ جیتنیں چیختی ہیں،
زنگی غلام سرپیٹتے ہیں،
خواجہ سرا کھڑے اپنی چھاتیاں کوٹتے ہیں،
مسرور مرچکا ہے!

کچھ اور کوئی — نشے میں کیا جانے بک رہا ہے!!
" — برامکہ کے محل!
" — زبیدہ کی بارگاہیں!
" — یہ بات کیا ہے؟
" — سمجھ میں آتا نہیں یہ کیا ذکر ہو رہا ہے؟
" — یارو خاموش رہو کچھ تو سمجھنے دو ہمیں!
" — مگر معتصم عجیب باتیں سنا رہا ہے!

معتصم — جو سُن رہا ہوں وہی سناتا ہوں!
لہلہاتی ہوئی کھجوروں کے جھنڈ باقی نہ شامیانے!
نہ بارگاہیں نہ آشیانے!
وہ بوزن نہ کنج نہ کاخ وکو، سنو تو کہرام سا بپا ہے!
کہاں براہیم کے وہ نغمے!

کہاں وہ اسحٰق موصلی کے حسیں ترانے!

کہاں گئیں بو نواس کے شعر شعر پر جھومتی بہاریں!

بہت سے کوئی — اخی ذرا صاف صاف کھل کر بتاؤ!

" — آج بغداد پر یہ کیسی تباہی آئی؟

" — اور تباہی بھی جو آئی ہے تو وہ نا کیسا؟

معتصم — سنو وہ قدسی جمال شہزادیاں، حیادار بیبیاں، خوبرو کنیزیں شہید کر دی گئی ہیں

وہ عورتیں جو قرآن پڑھ رہی تھیں، کلام اللہ اٹھا کے ہاتھوں پہ طالب رحم تھیں

وہ سب مار دی گئی ہیں

امیر عبد اللہ و فیصل کو مار ڈالا گیا ہے

بہت سے کوئی — دونوں کو مار ڈالا گیا ہے

معتصم — نوری سعید بھی قتل ہو چکا ہے

کچھ کوئی — غلام، کوئی کنیز یا بچہ بچہ زندہ رہا ہو شاید؟

معتصم — وہ گولیوں کا نشانہ بن بن کے سو چکے ہیں!

سب کے سب — جزاک اللہ جزاک اللہ!

" — خدا کا صد شکر ہے بنی فاطمہ سے بار سے نجات پائی!

کچھ اور کوئی — وہ ان کی لاشوں کا مثلہ کرتے!

وہ ان کی لاشوں پہ ٹینک دوڑا کے رقص کرتے!

وہ ان کی لاشوں کو سولیوں پر چڑھا کے تصویریں کھینچے!

کچھ اور کوئی — کہو کہ وہ لاش لاش کو دربدر گھسیٹیں!

" — وہ ان کی ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر پتھروں پہ پٹخیں!

چار چھ اور کوئی — بُرا ہوا یار کاش ہم بھی وہاں پہ ہوتے!

سات آٹھ بزرگ کوئی — ہم اہلِ کوفہ کو آزمایا تو ہوتا بغدادیوں نے بھائی!

چار پانچ کوئی — وہ بھی اپنے بھائی ہیں

ایسا کوئی فرق نہیں ہے،

اور چند کوئی — اہلِ عراق ایسے بھی کمزور دل نہیں!

ہم اور دشمنوں پہ کرم جھوٹ بات ہے!

ہم اور درگزر کریں یہ اتہام ہے!

انصاف، رحم، عدل، کرم سب ڈھکوسلہ!

ہم سا نہیں یہود و نصاریٰ میں حوصلہ!

معلم — دوستو، ظلم کی حد ہوتی ہے!

آپ لوگوں کو روایات کا ہے کتنا خیال!!

بہت سے لوگ — یہ شخص جاسوس لگتا ہے!

" — یہ دشمن ہے!

" — یہ مسلمان نہیں، یہودی ہے کوئی مصری ہے مار ڈالو اسے

یہ گالیاں دے رہا ہے!

اس نامراد کو مار دو!

یہ کافر ہے مار ڈالو

معلم — مگر میں یہودی نہیں ہوں

مسلمان ہوں

شیخ عثمان کا میں تو مہمان ہوں

بہت سے کونی — یہ کافر ہے لوگو اسے قتل کر دو

یہ جاسوس ہے اس کا مثلہ کرو

دیکھتے کیا ہو بدذات کو مار دو

(لوگ معلم پر ٹوٹ پڑتے ہیں)

معلم — (مرتے ہوئے) یہی ازل سے ہیں اندازِ کوفی و شا (لوگ سرکاٹ دیتے ہیں)

قتل و غارت کا ہنگامہ آہستہ آہستہ فیڈ ہوتا ہے

آوازیں فرو ہونے پر کورس اُبھرتا ہے

وہ آرہا ہے!

وہ آرہا ہے!

وہ آرہا ہے!

غریب لوگو شریف لوگو!

اُٹھو اُٹھو اس کی پیشوائی کو اُٹھو اُٹھو!

گھروں سے نکلو چلو چلو آؤ دیکھو دیکھو!

وہ آرہا ہے!

وہ آرہا ہے! وہ آرہا ہے ......

تیسرا ایکٹ ، تیسرا منظر

ایک کوفی	یہ تم کہاں جا رہے ہو بھائی؟
دوسرا کوفی	تمہیں تو کوئی خبر ہی نہیں زمانے کی!
ایک عورت	کہاں چلی مری لیلیٰ خدا ہی خیر کرے؟
دو چار عورتیں	اِدھر ادھر جا نہ خدارا آؤ!
پانچ سات اور کوفی	یہ جشن عام کا دن ہے چلو ہم تم بھی ہو آئیں!
معلن	اہل عراق تم کو مبارک ہو روز عید
	اے دوستو، سنو یہ نوید طرب فزا
	کوفے میں آج آئے گا وہ مرد باصفا
	ہم جس کے دیکھنے کے لئے بے قرار تھے
	وہ آج شام قصر امارت میں آئے گا
سات آٹھ کوفی	لیکن یہ کون آئے گا؟
	کچھ بھی نہیں کھلا؟
کچھ اور کوفی	رہنما کون بنا ہے اپنا؟
کچھ اور کوفی	کوئی مختار یا مصعب یا کوئی ابن زیاد؟
کچھ اور کوفی	نہ جانے کس کے ظہور خوش کی نوید برسوں سے مل رہی ہے!
	ذرا معلن کو تو پکارو!
ایک عورت چند عورتوں سے	سنا ہے آج شام اپنا رہنما بھی آئے گا!
دو چار عورتیں	دیکھنا چاہیے صورت اس کی!

ایک اور — ہم نے کیا کیا نہیں دیکھا بہنو!

ایک نوجوان کچھ دوستوں سے — دیکھیں تو کون ہے وہ جگر دار و سر فروش!

دوسرا — اس کا تم نام نہیں جانتے ہو؟

تیسرا — نام تو جانتے ہیں شکل نہیں دیکھی ہے!

سب — آؤ پھر قصر امارت میں چلیں!

" — آؤ! چلیں آؤ چلیں!!

معقل — دوستو قصر امارت میں خدارا بیٹھو!

حاجب — للہ الحمد کہ وہ فاتح دوراں آیا!
پھول برساؤ کہ سلطان بہاراں آیا!

(شور و غل بڑھ جاتا ہے امیر قصر امارت میں داخل ہوتا ہے)

حاجب — حضرت حق میں ہوئیں اپنی دعائیں مقبول
اہل دیں کو نہ ستائے گی کبھی آل رسول
بارے اب خوب پھلے پھولیں گے ہم اہل عراق
خانہ زادوں میں سپہدار جو آ بیٹھے ہیں
ایک ہی شاخ پہ کنجشک و ہما بیٹھے ہیں

ایک خاتون — التجا کرتی ہیں کوفے کی خواتین تمام
خُود سرکار جو سرکائیں تو راحت ہوگی
رُوئے عالی کی کنیزوں کو زیارت ہوگی

ایک مرد — عرض پرداز ہیں کوفے کے جگر دار جواں

اپنے سالار و سپہدار کریں ان سے خطاب،
کوئی پیغام کوئی حکم ہو کچھ تو ارشاد!

حاجب — اپنے سالار تکلف تو نہیں کرتے ہیں
ہاں مگر آج بہت خستہ و درماندہ ہیں!

چند خواتین — اپنی آنکھیں ہیں فقط روئے کرم کی مشتاق
ہم ہی کیا منتظرِ دید ہیں سب اہلِ عراق!

حاجب — میں ہی پھر خود ہٹا دیتا ہوں

(خود ہٹتے ہی لوگ بوکھلا جاتے ہیں۔ قصرِ امارت میں ایک کہرام برپا ہو جاتا ہے۔ عورتوں اور بچوں کی چیخیں نکل رہی ہیں)

بہت سی آوازیں — ارے یہ کیا ہے؟
〃 — یہ کیا بلا ہے؟
〃 — یہ کیا ہوا ہے؟
〃 — کہاں سے یہ شخص آگیا ہے؟
〃 — امیر کا سر کہاں ہے؟
〃 — بولو امیر کا سر کہاں ہے؟
〃 — یہ کیا ہے کیا بلا ہے؟
〃 — یہ کیا ہوا ہے؟

یہ کیا ہے یہ کون ہے ارے کون ہے یہ کیا ہے

آہستہ آہستہ فیڈ آرٹ.....

ایران

چشمِ ہفت اقلیم پیما جانبِ البرز ہو
تذکرہ مردوں کا چھیڑیں ذکرِ گنج و گرز ہو
گنجِ باد آور دو گنج شائگان و گنجداں
شہریارانِ گرامی، فخرِ گیتی پہلواں
اور ان کے درمیاں اک شیرِ نر خنجر بکف
گردنانِ کوہ پیکر کی یہ فوجیں صف بصف
سرزمینِ پاک ایراں۔ ہائے فردوسی کا دیس
حوریں پھرتی ہیں بدل کر آدمی زادوں کا بھیس
بولیاں حافظؔ شیراز کا رنگیں وطن
طوطیانِ آتشیں آواز کا رنگیں چمن

یہ کشورِ کامرانِ ایران ہے،
زمینِ بزرگِ یاراں،
یہ گنج دکو جلوۂ بہاراں،
یہ ملتِ حق شناس و مداحِ دوستاں،

در قلوبِ ہمسائگان و ایرانیاں،
ز راہِ شرافت و دوستی
ز راہِ خلوص،
نقشِ جمیلی بستہ۔
زہے جہانِ عجم،
زہے گاہوارۂ پاکِ آلِ آدم،
جہانِ لطف و کرم،
ہخامنشیوں کا ایراں،
دیارِ کہسارِ بیکراں،
مرز بومِ صد رستمانِ یکتا،
ہزارہا فرزانانِ دانا،
امیرِ کیہاں،
فدائیانِ وطن یہ سربازو کشورانِ بے بدل،
خود نگر، زمانہ شناس، اہلِ نظر،
ہمہ آبروئے عسکر، وقارِ ارتش،
نگاہ دارانِ موہبتِ کبریا!
کہ آماجِ تیرِ ناپاک جان و دل را قرار دادند و از میانِ حوادثِ بیشمارہ
بسیار شوم پیروزمند آمدند،
تو غ و پرچم،

یہ پرُہما، پیلیپا،
یہ پرتابیانِ فولادرُو، یہ شیدائیانِ سیف و سبو،
یہ ہاتھوں میں مصحف و جام!
اللہ اللہ یہ دام گاہِ جنوں!
یہ چوگانِ رزم!
یہ شہسوار یہ سب بے نظیر انساں!
شریف و خوش خلق و نازِ دوراں،
وقارِ اقلیمِ دلبراں، نازِ بزمِ شاہاں،
ہواؤں میں سحرِ تازہ کی مستیاں رچی ہیں
فضاؤں میں گھل رہا ہے کوئی فسونِ شیریں
یہ سبزہ زار زمردیں، یہ پرنیاں پوش، ہر طرف بوئے وصلِ جاناں،
خمیدہ شاخیں کہ پہلوئے گلرخاں کی محرابِ خواب بستہ
یہ مرمریں جالیاں، جھروکے
کہ جن سے مہتاب کی حسیں بیٹیاں سوئے خاک جھانکتی ہیں!
نہفتہ و ناشگفتہ پھولوں کا تذکرہ کیا
گماں یہ ہوتا ہے عمرِ رفتہ کے نام سے لوگ بے خبر ہیں!
یہ لعلِ سیراب کی طرح گوشے ہر گریباں!
یہ عاج کے چاند!
بے بہا نگوں سبو سے!

یہ جیبِ خاطر کشا و چاکِ سمن فشاں!
بوئے زلفِ مشکیں!
نوازش آرائے قسمتِ غالیہ فروشانِ شام
گورے بدن کہ ہر سمت چادرِ آفتاب پھیلی ہوئی ہو جیسے
یہ قدِ بالا قیام آموزِ سرو و شمشادِ بوستاں
مسکراتے ہونٹوں پہ آرزو کی سُبک لکیریں
کہ چاندنی ایک جھیل کے مرمریں کناروں پہ ناچتی ہو،
کہ سرخ یاقوت سے شعاعیں نکل رہی ہوں،
قبائے زرتار کی نظر سوز لچکنوں میں، دلوں کی معصوم دھڑکنیں،
مست انکھڑیاں!
محوِ خواب آنکھیں!
ردائے تقدیس میں یہ لپٹے ہوئے پر اسرار و پاک معبد!
عظیم زرتشتیوں کے آتش کدے!
دہکتے ہوئے الاؤ!
زہے رسائی بروئے زیبا
یہ حسنِ رفتار، یہ بھنور گیت، یہ لچکتی کمر کہ بادِ سحر کے جھونکوں میں لہلہاتا ہو خیزراں،
دوستو سخنہائے درمیانہ کو رہنے دو،
حقۂ عقیقِ تر و طلسمی وہ دُرج ہائے مقفل و مُہر بستہ رہنے دو،
خود ہی سوچو وگرنہ

ایران

بادِ سحر کے بوسوں سے غنچے کھِلتے ہیں، پھول بنتے ہیں،
تجربہ بھی کیا تو ہوگا ——،
سریر آرائے سلطنت
پادشاہِ گردوں وقار
آقائے کشوراں، نجمندہ، گشتاسپِ توانا
یہ استخر ہے
ظہورِ زرتشتِ ذی کرم کے سبب سے بسیار محترم ہے
حوالیٔ شہر گلبنِ دلربائی و جنتِ نگاراں
نہیں کہ رِندوں کے لب جلے ہیں
طرف طرف میکدے کھُلے ہیں
پیو پلاؤ شرابِ تازہ
یہ مَے براتِ شبابِ تازہ
شبابِ تازہ کہ جس طرح پہلے پہلے دل میں وجود کی روشنی کا احساس جاگتا ہے
گلوں سے خوشبوئیں پھوٹتی ہیں
قدم قدم پہ دل و نظر سے لپٹتی ہے موجِ طلعتِ ناز
چاند ہر سو دکھائی دیتے ہیں
بانک ادا کی چٹکیاں بھر کے چھیڑتے ہیں!
یہ ناصیہ قدسیوں کی سجدہ گہیں!
جتوں کے نگار خانے!

پری جمالانِ اصطخر کے یہ آستانے
چلو نا ہم بھی کسی تو چوکھٹ پہ سر جھکا لیں ثواب ہوگا
گزر گئے ہم جو بے نیازانہ یہ سمجھ لو عذاب ہوگا

یہ بام و محراب!
جن کے سائے میں چودھویں کو چاند موجود ہے
یہ دیوار و در کہ جن پر
کسی حسیں کے بدن کے انوار چھا گئے ہیں،
یہ غلغلے، زمزمے یہ نغمے!
صدائے چنگ و رباب!
"تماشائے من بفرما کہ ایں نمود و نمائش و نقشِ دلبری کیست؟
روز جشن است، جشنِ آذر کہ در تمام نقاطِ ایران، شہرہا، دہکدہ ہا،
با اعتقاد و حسنِ خلوصِ نیت
جوان و پیر و زناں، ہمہ جشن میگرفتند،
مثلِ فروردگان و مانند مہرگاں،
اہتمام جشنِ کبیرِ ملّی عزیز دارند،
باشکوہ تر، مجلّل و پاک تر
کہ روز عظیم، پاکیزہ و مقدس قرار دادند
پاسداری آتشِ پاک و احترام مراوت زندگانی ببینید
کیشِ زرتشتیاں چہ کیشِ جہانیاں، ہر زماں،

آتش را نعمت و موہبتِ الٰہی شمردہ و شعلۂ اش را حسن و جمالِ یزداں قرار دادہ

جہاں چوں از خنکیِ زمستاں
ز پنجۂ برف و یخ
زافسردگی و مُردہ دلی رہائی پذیرد، ما سپاس آذر کنیم
ہر چند کشفِ آتش عطائے ہوشنگ است و جشن سدہ ازو یادگار
ہم آذر و ہم آتش مقدس و پاک
آتش علم و فکر و دانش
ہر امن دل بہار بخشش
مگر یہ کیا؟
استخر کے ماتھے پہ کیسی شکنیں اُبھر رہی ہیں!
زمیں کا سینہ دھڑک رہا ہے!
سپہر تھرا رہے ہیں!
آثارِ ناہید مٹ رہے ہیں!
دیوا جن شہنشاہ کی حضوری میں عذر خواہ ہے!
یہ دارا یوش کبیر کا انتقام!
لاکھوں غلام،
یوناں کے شاہزادے،
مہکتے گاتے ہوئے جزیروں کی نازنینیں،
برہنہ پا گردنیں جھکائے گزر رہی ہیں ——!

یہ دارپوشِ کبیر کو جانتے نہ تھے!
وہ عظیم فرمانروا کہ جس نے سمندروں کو سزائیں دیں،
جس نے پربتوں کو ڈھنک دیا،
جس کے پاؤں میں کوہسار، سائے،
خنک جزیرے، قبائے شاہنشہی میں ہیرے!
زمیں میں گاڑ گاڑ کر دشمنوں کے زندہ جواں
اُٹھاتا رہا جو سنگِ فشاں،
کہ تاریخ کے بیاباں میں
جستجو کے اداس و بے برگ و بار صحراؤں میں،
بھٹکتے ہوئے مؤرخ کو منزلوں کا سُراغ ملتا رہے —!
وہ ڈلفی کی ساحرہ،
بوڑھی کاہنہ،
اپنے معبدِ تار کے شگافوں سے چیختی رہ گئی —"
"جزیروں کے باسیو
سرزمینِ یونان کے شکستہ نصیب لوگو
سُنو کہ

سُورج غروب ہونے لگا ہے، لوگو
زمین کے آخری کناروں کو بھاگ جاؤ
دلوں کو تذلیل و خوف کا تم بنا لو عادی

یہ رات اک سوگوار ماں کی طرح تفکر میں گم کھڑی ہے
تمھارا وقت ہو چکا ہے، اپنے ذلیل چہرے چھپا لو، جاؤ.....
یہ لوگ وہ ہیں جو دار یوشِ بزرگ کی فوج کو نہ دے پائے
اپنی مٹی کی ایک چٹکی،
پیالہ پانی کا،
ایک انجیرِ خشک لیکن،
لڑے،
سہی تدمتانِ گلزار کی طرح کٹ گرے
مگر ان میں کوئی بھی تو اَمر نہیں تھا
اَمر شہنشاہ کے نظر کردہ وہ چنیدہ جواں
طلاکار زرہوں والے،
نکیلی، نوکار، کلغیوں والے،
سبط در سبط، خیل در خیل، جانثارانِ امپراطورِ پاکِ ایراں
سنو تو ان کا حسیں ترانہ
"خزف خزف ہے گہر گہر ہے
کرن کرن ہے سَحَر سَحَر ہے
تمام عالم چراغ کی لَو
ہمارا نقشِ قدم قمر ہے
مقابلہ کیا کرے گا کوئی،

بشر بشر ہے اُمر اُمر ہے
ہماری دنیا میں شہریاری
لبِ عدو پر حذر حذر ہے
قضا کا پانی گلے گلے تو
لہو کا دریا کمر کمر ہے
بشر بشر ہے اُمر اُمر ہے ....

کاتبِ عمر نے ورق اُلٹا
ہستیٔ شاہ کا طبق اُلٹا
مال و دنیا سے بے نیاز ہوا
رہگرائے جہانِ راز ہوا
ہر طرف شورِ آہ وزاری ہے
موت سے کس کو رستگاری ہے
چہرہ پر خوں کئے ہے سارا جلوس
وقفِ ماتم ہیں اکیتا نہ وطوس
گرد تابوت ہائے خاص و عوام
پھینکتے جاتے ہیں سیہ بادام
شاہزادے گہر لٹاتے ہیں
لاش پر مال و زر لٹاتے ہیں
بین کرتے ہیں سیمبر کتنے
نالہ کرتے ہیں نوحہ گر کتنے
جو زمیں بوس راستے میں ہوا
دوستو وہ اُٹھا تو مر کے اُٹھا
ہو چکی رسم خاک بوسی اب
شاہ جانے اور آگے شاہ کا رب

اک نئے جشن کے سامان ہوئے ہم نفسو
دو جہاں دیدۂ حیران ہوئے ہم نفسو
گلشنِ دہر میں خوشبوئے وفا پھیل گئی
تازہ پھر وصل کے پیمان ہوئے ہم نفسو

پھر فروغالِ نگاراں کی حکایات چھڑیں
زندہ پھر عیش کے ارمان ہوئے، ہم نفسو
ہوس و شوق نے پھر سازِ جوانی چھیڑا
دل کہ ہر تان پہ قربان ہوئے ہم نفسو
اِس طرف زندہ دلانِ قم و قزوین کے گیت
اُس طرف تخت سے اعلان ہوئے ہم نفسو
یہ ہیں ہوں خشایارشا آریا
شاہِ شاہاں، خداوندِ اقوامِ دوراں
ہخامنشی و پارسی نسل کا نوجواں، حکمراں!
ہیں قبیلوں کا آقا!
زمانے کا داتا!
تمدن کا والی، وطن کا نگہباں!
ہخامنشی و پارسی نسل کا حکمراں!
آریاؤں کا لختِ دلیر و جواں ———

(کورس اُبھرتا ہے)

تو قبیلوں کا آقا، جواں آریا
تیرا ایلام، بابل، عرب، میدیا
تیرا ارکوشیہ تیرا شاگیدیا
تیرا ایتھنز ہے تیرا مقدونیا
تیرے مصر و اکوفہ ترا اکاریا

تو قبیلوں کا آقا جواں آریا
اے خشایار شا اے خشایار شا

تو کہ نورِ نگاہِ دماوند ہے
تو کہ پورِ جگر دارِ الوند ہے
تو کہ دارائے اعظم کا دلبند ہے
تو ہخامنش کا نیک فرزند ہے
تیرا جد روشیا تیرا ارمینیا
تو قبیلوں کا آقا جواں آریا
اے خشایار شا اے خشایار شا

تو کہ دنیا کے بندوں کا مختار ہے
سیتھیوں، کجکلاہوں کا دادار ہے
کاروانِ تمدن کا سالار ہے
تیری تلوار یزداں کی تلوار ہے
تیرے سائے میں جو آگیا جی گیا
تو قبیلوں کا آقا جواں آریا
اے خشایار شا ......

کھو گئیں وقت کے طوفاں میں کئی آوازیں
مٹ گئیں نام و نسب کی وہ سبھی یلغاریں

سایۂ رستانِ چمن خاک تھے اور خاک ہوئے
رہ گئیں ٹوٹ کے سینے میں اُنہی تلواریں
دیدۂ و دل نے پری زاد نہ دیکھے کیا کیا
ہوس و شوق میں کیا کیا نہ رہیں تکراریں
رات بھر گیسوئے خوباں سے وہ تزئینِ کلام
ہائے دن بھر لبِ لعلیں کی تجل گفتاریں

دل کے ویراں جزیرے میں یہ بزمِ جم یہ طار
کاکلِ ناز کی برسی ہیں گھٹائیں کیا کیا
نکہتِ سینہ و رُخسار و کنار لب و زلف
چمنِ دہر میں کھیلی ہیں صبائیں کیا کیا
چھو کے پھر گذریں کنارِ گلِ رنگیں شاید
رنگ میں ڈوب کے نکھری ہیں ہوائیں کیا کیا
یاد آتی ہے شہیدانِ محبت کی، نہ پوچھ
قصرِ شیریں سے نکلتی ہیں ضیائیں کیا کیا

عشرتِ حسن کے اسلوب وہی ہیں کہ جو تھے
یہ حسیں لوگ یہ محبوب وہی ہیں کہ جو تھے
گنگناتے ہوئے لمحات کی برکھا ہے وہی

گیت کچھ دل کو بھی مرغوب وہی ہیں کہ جو تھے
عاشقی دین ہے اور دین کہاں مٹتا ہے
آج بھی طالب و مطلوب وہی ہیں کہ جو تھے
خون سے اپنے ہے یہ رونقِ قصرِ شیریں
جانِ من! آج بھی معتوب وہی ہیں کہ جو تھے

ہائے وہ حسن و فسونِ خد و خالِ خوباں
جن کے انوار سے دل آج بھی تابندہ ہیں
دل کے داغوں سے چراغاں کا سماں ہے کہ جو تھا
شبِ ہجراں کی روایات حسیں زندہ ہیں
بے ستوں آج بھی رہ رہ کے صدا دیتا ہے
کوئی تیشہ تو اٹھے ہم سپر افگندہ ہیں
دل نے کیا کیا نہ صنم روز تراشے لیکن
اے نگارانِ عجم تم سے بھی شرمندہ ہیں

لالہ و گل کے دیے چار طرف جلتے ہیں
چمنِ رنگ و نوا، نغمۂ سبزینہ ہے
نہرِ شیریں سے یہ رہ رہ کے صدا آتی ہے
موت حالات کا، ماحول کا آئینہ ہے

اُس طرف شمس قدم، عرش حشم، ماہ جناب
آسماں تک بھی پہنچنے کا کوئی زینہ ہے
جھلکیاں اپنے تصور میں لئے بیٹھا ہوں
لفظ و معنی کا مرے سامنے گنجینہ ہے

دشت در دشت یہ آہوروشانِ پُرکار
یہ طلسمات سے معمور ختن کیا کہنے
باغ در باغ نسیمِ طرب و بادِ شمال
یہ فرد فالِ حسینانِ چمن کیا کہنے
تاک در تاک مچلتے ہوئے شیریں چشمے
مسکراتے ہوئے یہ کوہ و دَمن کیا کہنے
اِستخر تیرے حسینوں کا نہیں کوئی جواب
اے ستاروں کے بہاروں کے وطن کیا کہنے

فرش ہر خانہ ہے بت خانۂ فرخارہ مثال
سازِ ہر خیمہ ہے کاشانۂ مانی گویا
روئے گلزار پہ یہ سایہ کُناں ابرِ طیور
نیلگوں پوش ہے فردوس کی رانی گویا
یہ چٹانوں سے نکلتے ہوئے میٹھے جھرنے

تشنگی ہو تو یہ پتھر بھی ہیں پانی گویا
بتکدے شعر کے روشن ترے محبوبوں سے
نام ہے ان کی اداؤں کا جوانی گویا

آپ ان سنگ نبشتوں کی طرف بھی دیکھیں
خطِ میخی میں یہ لکھے ہوئے کتنے کتبات
سنگ در سنگ شہنشاہوں کی یہ تحریریں
گویا پتھر بھی ہیں آئینۂ اخلاق وصفات
بے ستوں ہو کہ وہ الوند کہ تختِ جمشید
ثبت ہر ایک پہ دیکھو تو ہیں کیا کیا خطبات
حسنِ ایماں کا یہ کردار کا ہر نقشِ جمیل
ژند و پاژند کی مانند خجستہ آیات

نقشِ رستم کی عبارت دیکھو — لو یہ اعلانِ صداقت دیکھو
حمدِ یزداں سے یہ آغازِ کلام — شاہ کی شانِ اطاعت دیکھو
صاف، سلجھا ہوا اندازِ بیاں — دوستو، حسنِ فصاحت دیکھو
سلسلہ وار بیانِ احوال — یہ تفکر کی طہارت دیکھو
کبر و نخوت سے ہے نفرت کتنی — پارسِ آئینِ شرافت دیکھو
بتکدوں میں بھی چلیں گے ظاہر — یہ بھی ہے طرزِ عبادت دیکھو
"خدائے تعالیٰ ہے ارمزد جس نے

یہ دھرتی بنائی یہ آکاش پیدا کیا
جس نے انساں کی تخلیق کی
جس نے ہر شے کا جوڑا بنایا
یہ کہتا ہے دارا کہ جو بادشہ ہے
کہ ارمزد نے اور خدایانِ دیگر نے
کی ہے مری دستگیری
نہ آفت کا پتلا نہ جھوٹا فریبی
نہ میں زور گر ہوں
نہ میں خود نما ہوں
نہ میں نخوتِ خاندانی کا مارا
ہمیشہ رہِ راستی پر چلا ہوں ——"

زہے یہ موسمِ اردی بہشتی — زمیں پہنے ہوئے رختِ کنشتی
ہواؤں میں بسی ہیں نرمیاں کیا — بتوں میں بھی نہیں ہے وہ درشتی
خراماں ہیں کہیں طاؤسِ زیبا — گُدکتے ہیں کہیں آہوئے دشتی
کنارِ چشمہ چشمہ سرو و شمشاد — یہ محوِ رقص حورانِ بہشتی
بتانِ ماہ چہرا اللہ اللہ — زہے یہ حسن یہ خورشید پُشتی
یہ انساں پھول کی دیتے ہیں خوشبو — کہاں دنیا میں ایسی گل سرشتی
رواں ہے چاند نیلے آسماں میں — یہ رودِ پاک میں سونے کی کشتی
لبِ گلرنگ و ہر سو نغمۂ چنگ — مئے خوشرنگ و دینِ زردہشتی

خدا توفیق دے تو جاؤں طاہر پئے دیدارِ محبوبانِ رشتی

یہ کس کے نام سے روشن ہے دفترِ کونین
کمالِ خلقِ عدالت، وقارِ مسندِ علم
زمانہ۔ راہِ ادب سے نگاہ بر نعلین
خرابِ جرم و جنائت یہاں نہیں کوئی
یہی ہے سائے میں جسکے ہیں شادماں ثقلین
نہ چیرہ دستیٔ بابل نہ بل سشذار کا خوف
نہ شورِ دشتِ بلا ہے نہ سیلیٔ بحرین
اسی نے ظلم و شرارت سے دی جہاں کو نجات
چہار دانگ میں دیکھو تو اب ہے چین ہی چین
یہی گورشس ہے یہی سائرس یہی خسرو
یہی خورس یہی کیخسرو حامیٔ حرمین
خدا شناس، شہنشاہِ کشورِ ایراں
کلامِ پاک میں جس کا لقب ہے ذوالقرنین
یہ افتخارِ مجسم
انیسِ بشر
وقارِ جہاں جہاں
فخرِ تاجدارانِ ہر زماں
جس کا نامِ نامی گراں گراں جگمگا رہا ہے

وہ جس کے پائے ثبات و عزمِ بلند نے سرزمینِ ایراں کو حسن بخشا
سوادِ انسانیت کو سوزِ دروں کے انعام سے نوازا
وہ جس نے اقدارِ فاضلہ کا علم ہواؤں میں لہلہایا
تعصّباتِ ملل مٹا کر حیات و اخلاق کا حسیں راستہ دکھایا
وہ حکمراں عمر بھر جو انساں کی دوستی پر مٹا رہا
درسِ حکمت و خیر و دادِ علم و ہنر ہی دیتا رہا جہاں میں
یہی ہے کوروشِ نامور جس نے حسنِ کردار کی پرستش میں جان دے دی
وہ جس کے لاشے پہ "فیثا غورث" بھی رو پڑا
"کنت گومی نو" جس کا نام لے لے کے جھومتا ہے
اِشیل"— یونانیوں کا وہ شاعرِ گرامی
غرورِ ملّی میں جس کا ثانی نہیں ہے کوئی
مسیح کے نام سے وہ اس شہریارِ ایراں کا ذکر کرتا ہے
دیکھتے ہو یہ اکتبانہ ہے
روم کی عظمتوں کا تنہا جواب
انجیلِ پاک میں اس کا ذکر ہے
شہرِ ثروت و علم و دین و ایماں
یہ جس کے فرزند آج اس دورِ کم نگاہی میں بھی "ہمہ داں"
مگر فضائیں لہو لہو ہیں!
طرف طرف شورِ آہ و زاری!

اٹھا دو کوروش کا جنازہ
یہ اکبتانہ سے تا بہ پاسارگاد ہر فردِ نخلِ ماتم بنا کھڑا ہے
دلاورانِ کبیر، درباریانِ دانا۔
بشر بشر اپنے ہاتھ میں دو طرح کی شاخیں لئے ہوئے ہے
یہ شاخۂ نخل و شاخِ سروِ سہی
جنازے کے ساتھ کوروش کے غنائم بھی ہیں اُٹھائے
یہ جنگجویاں یہ دست یاراں یہ بادشاہِ بزرگ سب لوگ رو رہے ہیں
یہ وسط دستہ میں آپ گردونۂ ظفر دیکھتے ہیں؟
کوروش جس پہ آرام کر رہا ہے
الٰہی یہ خوش عناں کہاں
چار مال بند اور آٹھ نقرے
جو ل کے گردونۂ ظفر دستگاہ کو کھینچتے ہیں
گھوڑوں کا ساز ہیروں سے موتیوں سے گندھا ہوا ہے
محافظینِ جسد کہ
"خورشید" اور "بہرام" گا رہے ہیں
غلام و آقا جنازۂ شہ پہ برگِ خرما لٹا رہے ہیں
وہ شاہ کی خواب گاہ —— لیکن!
یہ حُلّۂ زرنگار و زردوزِ زرشیں خلعتیں
قبا ہائے ارغوانی، گہر گہر چادریں، حریر و بریشم زردہ کے لبادے

چمکتی تیغیں
یہ کرگدن اور گوزن کے چرمِ سخت کی نقش بستہ ڈھالیں
حسیں علم — دائرے کی صورت میں بھاری زرہیں
چہار آئینہ بند و جوشن، گراں کمانیں
اور آہن و پرنیاں کے انبار میں شہنشہ رُو نہادہ
اُدھر زمانہ
بہ طمطراقِ یگانہ
فرمانروائے ایران کی سلامی اُتارتا ہے

رفیقو مہمّاتِ بہرام چوبیں کی تم کو سناؤں بھی کیا داستانیں
چٹختی چٹکتی رہیں گورکے زور سے ظلمتوں کی ہزاروں چٹانیں
بہ نگاہِ دوراں کو بھولے نہیں بانکان جواں بخت کے کارنامے
بہ رنجِ شمالہ بدن پر سجائے، سمندِ جہاں صید کی باگ تھامے

یہ محرابِ صمصامِ سلطاں کہ جس میں سرِ سرکشاں ہیں کہ سجدہ کناں ہیں
یہ شمشیرِ سیلِ خشونت ہے جس میں قصورِ کشک بھی خسِ ناتواں ہیں
زمستانِ شاہنشہی ہوں کہ برنا بیانِ جواں سال دیدہ شکن ہوں
ادب کا تقاضہ ہے فرمانروا کے مقابل جو آئیں تو غنچہ دہن ہوں

تراز وئے پولاد سنجاں سے تلبیس خانوں کے چھلنی ہیں ناپاک سینے
سرائندگانِ سحر کی سہانی سروں کے سرِ آسماں یہ سفینے
یہ ہر گام پر زمزموں سے چراغاں یہ ہر بام پر صورتوں کے اُجالے
زمین و زماں ہیں لبوں سے لگائے ہوئے معبدوں کے مقدس پیالے

یہ زلفیں و زنجیر کے شور میں ڈوبتی ڈولتی جھانجھنوں کی صدائیں
سرِ شام وصلِ بتاں جس طرح گنگنانے لگیں کیف آور ہوائیں
یہ سینوں کے خورشیدِ تاباں کہاں اور کہاں آسمانوں کا وہ داغِ رسوا
لرزتی ہوئی کاکلوں کے خم و پیچ سے شام کے راگ رہ رہ کے پیدا

یہ پلکوں کے سائے میں آنکھیں کہ جیسے ندیمانِ سرمست ہوں بزم آرا
یہ رہ رہ کے ہر سمت یوں دیکھتی ہیں کہ ڈرتے ہوں جیسے غزالانِ صحرا
چلیں جس طرح ڈوبتے ڈولتے ڈگمگاتے ہوئے بادلوں کے سفینے
ہنسیں جس طرح ایک تاجِ گہربار میں جگمگاتے ہوں سندر نگینے

یہ راہ و روش پہ جواہر ہے چھٹکا ہوا تو درختوں پہ سلمیٰ لگا ہے
مکانوں محلوں دکانوں کو دیکھو تو ایسا گماں ہو کہ سونا منڈھا ہے
یہ خنیاگرانِ چمن کے ترانے، ہزارے کے فوارے ہر سمت جاری
سرِ بالشِ عشق وہ وہ حسیں ہیں کہ میری طبیعت پہ نشہ ہے طاری

ہوا و ہوس کا پجاری ہوں مارا ہوا ہوں انہیں مہوشوں کا محبّو
مگر داوِ گاہِ وفا میں بھی عرضِ رسا کی اگر تاب ہو تو رفیقو
وگرنہ خواصانِ گل پیرہن کے پرے تو ہزاروں گزرتے رہینگے
کئی چاند ان راستوں کی مہکتی ہوئی گودیوں سے ابھرتے رہینگے

سرِ سرو یہ کوکتی قمریاں، فرشِ سبزہ پہ طاؤسِ طنّاز کیا کیا
نگاہوں میں حسن و وفا کی تجلی، محبت کے اسلوب و انداز کیا کیا
بتانِ قیامت قدم کی یہ کافر ادا ٹولیاں، دلبری کے بہانے
کبھی ابروؤں سے جو کرنے لگیں بات، بہمن کماں بھی لگیں کپکپانے

یہ دادانِ ایران کی سرزمیں ہے یہ داراثِ دولت کا ہے گاہوارہ
کوئی چشمِ ناپاک سے اس کو دیکھے تو اس کا جگر ہو وہیں چار پارہ
جم و کیقباد و کیومرث و طہمورس و تاجدارانِ کیوان و گہیاں
یہ اقلیمِ صد شہریارانِ عالی یہ فردوسِ مثال یہ خلدِ کریماں

وہ البرز اک پیرِ دانا کی طرح کھڑا ہے تفکر کی شمعیں جلائے
یہ دشتِ زمانہ میں کیا چاندنی ہے نہ ابرِ گراں ہے نہ پُرخوف سائے
زمینِ عجم کی شرافت کے آثار دیکھے ہیں میں نے جبینِ جہاں سے
روایاتِ خلق و مروت چلی آ رہی ہیں زمانِ ہخامنشیاں سے

زہے آتشِ پاک شام زمستان زہے دولتِ داغ ودود چراغاں
زہے محفل شعر و نغمہ زہے شاہد و شہد و شمع و شراب و شبستاں
زہے مطرب و ساقی و سازِ صہبا یہ سیمیں رخسانِ سمن پوش و زیبا
دل و ہوش و ایماں کے تپتے ہوئے ریگزاروں پہ لطفِ نگاراں کا سایا

یہاں آسیابِ تمنا کے لہرے تو ہیں پر نہیں کوئی آسیبِ ہستی
یہ آمرزگارانِ گیتی یہ موجِ گل و آبِ رنگیں یہ صہبا پرستی
یہ زرّیں نقابانِ خورشید چہرہ، یہ کافر ادا، خوش لقا نازنیں
کئی آفتابوں کئی ماہتابوں کے روشن خزانے کھلی آستینیں

یہاں صرصرِ آہِ سوزاں نہ سیلِ سمومِ صُروفِ زمانہ ہے کوئی
زمیں پر یہ کلیوں کے نوخیز لاکھوں ستارے کہ ادریس خانہ ہے کوئی
سرودِ نگاراں صلائے بہاراں جھمکتی ہوئی آتشِ بے زبانہ
یہ نزہت گہِ ارتباط و نشاط و خلوص و جمال و نویدِ یگانہ

بزرگان و مزدور و دہقاں سبھی سایۂ ابروئے زال میں عیش فرما
یہ وہ پہلواں ہے جسے تختِ البرز پر ایک سیمرغ وحشی نے پالا
رُودابہ سے جس کی محبت کے ہر مرحلے سے شناسا ہے سارا زمانہ
وہ بانکا شکاری جو خود بن گیا تھا نشانہ لگاتے لگاتے نشانہ

وہ انساں کہ جس کی صدائے قدم سے دھڑکنے لگے آسمانوں کا سینہ
وہ اک ماہ رو کی مہکتی ہوئی خلوتوں میں سراسر پسینہ پسینہ
نہ وہ شور و غوغائے زور آوری ہے نہ وہ گرمیِ ہمتِ پہلوانان
رودابہ کو یوں دیکھتا ہے کہ تکتا ہو اک صیدِ درماندہ سوئے سلیماں

اسی سرزمیں میں جواہر طرازاں نے دیکھی منیژہ کی بانکی جوانی
منیژہ کہ عشق و وفا کے صحیفوں کی زینت ہے جس کی نرالی کہانی
وہ دختِ جہاندار جس کو جلالِ شہی نے قدم بر قدم بڑھ کے ٹوکا
وہ بانو کہ جس کو سلاطین و کسریٰ کی تیغوں، کڑکتی کمانوں نے روکا

مگر جس کے عزمِ وفا نے عتاب و عذاب و عقوبت کو نیچا دکھایا
وہ دل جو کہ ہر ظلم پر مسکرایا وہ سر جس کو ہر سنگ نے آزمایا
یہ تاریک و ناپاک راہیں یہ پرہول جنگل یہ ہر سو ہزاروں بلائیں
مگر چاہِ بیژن پہ ٹھہری ہوئی ہے یہ آنکھوں میں آنسو لبوں پہ دعائیں

یہ شب جیسے بہتا ہو دریائے قیر — نہ بہرام پیدا نہ کیواں نہ تیر
نہ پروین نہ کوئی نشانِ پرن — کراں تا کراں لہلہاتا ہے گہن
نہ جدی ہے باقی نہ سرطان ہے — نہ گردشِ گہِ وقت میں جان ہے
سہیل و ثریا نہ اب چاند ہے — چراغِ وجود و خرد ماند ہے

کہاں کی تجلی کہاں کا فروغ
سیاہی کہ جیسے روانِ دروغ

یہ چھائی ہوئی تیرگی چار سو
یہ زندگی کہ جیسے اک بے بہشت آرزو

اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے سپہر
نہ دیکھے گی دنیا کبھی روئے مہر

جہاں جگمگاہٹ تھی تاریک و تار
یہ کالوں کی لہریں یہ دریائے قار

یہ شب جیسے کوئی زنِ زاغ رو
زنِ داغ سینہ زنِ تند خو

ہو دامن میں گیسو سمیٹے ہوئے
لٹوں میں زمانہ لپیٹے ہوئے

ادھر چاہِ اژمن پہ روتی ہوئی
ستاروں کی لڑیاں پروتی ہوئی

بلاتی ہے بیژن کو اے جانِ من
نہ ہوگا کبھی کامراں اہرمن

نہ ہونگے ہمارے عدو کامیاب
کہ میں بھی تو ہوں دختِ افراسیاب

کھلے گا نہ ظلمت کا یہ مکر و فن
پھٹا وہ پھٹا تیرگی کا کفن

زمانہ نہ بدلا بہ شستِ نیک و بد
مگر آج دیکھے تو ہمت کی حد

دکھا دوں نہ بکلاؤں گی تم دیکھنا
جلا دے گی زنگارِ ابر و ہوا

بناؤں گی زلفوں سے ایسی رسن
نکل آئے گا چاہ سے ماہِ من

روایات کا نور ہر سو رواں
ز مصر و عجم تا بہ ہندوستاں

جہاں در جہاں [illegible] ماند ماند
کہ اندھے کنوؤں سے ابھرتے ہیں چاند

اندھیرے نہ ہونگے تری راہ میں
رہے گا نہ یوسف مرا چاہ میں

چاہِ اژمن سے نکلنے لگا بیژن دیکھو
سینۂ دشت کا ہوتا ہے روشن دیکھو

حسن اور عشق ہم آغوش ہوئے جاتے ہیں
قمریاں گاتی ہیں کس ٹھاٹھ سے ایمن دیکھو
ارغنوں زن ہیں عروسانِ گلستانِ جمال
بوندیاں مل کے بجانے لگیں ارگن دیکھو
چوڑیاں بادِ صبا باغ میں چھنکاتی ہے
کنج در کنج چھنک چھم چھنا چھن دیکھو
جوئے خوشرو ہے کوئی بعتِ سیمیں خلخال
زمزمے ہونٹوں پہ یہ پاؤں میں جھانجھن دیکھو
گیت بکھرے ہوئے ہر سمت حسیں کلیوں کے
فرشِ سبزہ ہے کسی حور کا دامن دیکھو
آستیں اپنی جھٹکتا ہے جو گلشن پہ سحاب
یہ نزولِ کرم و رحمتِ بہمن دیکھو
نرگسِ شہلا نے آنکھوں میں لگایا کاجل
سرخیٔ سرخ میں ڈوبی ہوئی سوسن دیکھو
جامہ از برگِ سمن، غالیہ از عنبرِ تر
سبز پوشانِ دماوند کا جوبن دیکھو
طوطی و بلبل و درّاج و تذرو و سرخاب
بول اٹھا بام پہ ہر مرغِ مثمّن دیکھو

ایران

اب نہ زنداں ہے نہ وہ ظلم کی دیواریں ہیں
حلقۂ زلفِ بتاں حلقۂ آہن دیکھو
بجلیاں دور کہیں دور چھپی جاتی ہیں
آج محفوظ بلاؤں سے ہے خرمن دیکھو
اک زمانہ تھا کہ زخموں کو رفو کرتے تھے
اب نہ وہ زخم نہ وہ چارۂ سوزن دیکھو
آبِ رودین ہے کہ ہے زمزم و کوثر کا جواب
نکہت و نور سے معمور ہے قارن دیکھو
پرِ طاؤس نظر آتا ہے دامانِ صبا
گل و گلزار بنا جاتا ہے ارژن دیکھو
ہائے یہ لوگ یہ محبوب و پری چہرہ لوگ
رشکِ فردوس ہے جو کوچہ و برزن دیکھو
ہائے رامشگریٔ زہرہ نوایانِ جواں
رقص میں آنے لگے مسجد و مسکن دیکھو
خود بخود بندِ قبا ہیں کہ کھلے جاتے ہیں
ہاتھ میں اور کسی شوخ کی گردن دیکھو
اس طرف مطربِ خوش لہجہ کی تانیں تو ادھر
بے خطر ناچتی ہے چاند کی دلہن دیکھو

تختِ والا پہ جگر دار و جواں افراسیاب
سرِ میداں پسرِ زال و تہمتن دیکھو
کون ہے کون جو رستم کے مقابل آئے
یہ فلک افگن و سالارِ زمیں کن دیکھو
یہ تن و توش یہ مضبوط بدن سرخ پہاڑ
فیل کو بھی جو سمجھتا ہے فسلا محن دیکھو
رخش پہ رتن کے ہے بیٹھا ہوا کیسے توبہ
گاؤ سر ہاتھ میں جوں شاخۂ چندن دیکھو
کس کے سینے میں اُتارے گا یہ خنجر اپنا
جانے کس کس کا بنے گا ابھی مدفن دیکھو

یہ فردوسیٔ نامور کی زبانی
سنو داستانِ جنون و جوانی
عجب قصۂ حسرت و درد ہے یہ
نرالی، انوکھی ہے ساری کہانی
نہ زورِ قلم ہے نہ رنگیں نوائی
نہ گفتار تازی نہ جادو بیانی
وہ نقشہ جو کھینچوں تو کس طرح یارو
نہ منصور ہوں میں نہ بہزاد و مانی
سمجھ لو کہ سہراب وہ نوجواں تھا
کوئی جس کا مدِ مقابل نہ ثانی
دلیر و جسور و غیور و توانا
جلال و جمالِ رخِ زندگانی
رفیقِ مرنجاں مرنج و وفا خو
عدو کے لئے آفتِ آسمانی
کبھی کار خواہی کبھی کار بخشی
کبھی کار سازی کبھی کاردانی

کمس کی طرح اس کے آگے زمانہ
کئی پہلوانوں کے پیتے ہوں پانی

نہ ایران و توران میں کوئی ایسا
کہاں کے خراسانی و سیستانی

دمِ ہمکلامی جھڑیں پھول منہ سے
نہ ہے خوش بیانی نہ ہے گلفشانی

مگر باپ کو اپنے دیکھا نہیں تھا
ستم اس پہ احباب کی چھیڑ خانی

ہُوا باپ کی جستجو میں روانہ
نہ تصویر دیکھی نہ مانگی نشانی

پھرا شہر در شہر اس آرزو میں
مہ و سال صحراؤں کی خاک چھانی

ملا باپ سے تو نہ پوچھو محبتو
پیامِ فضا بن گئی پہلوانی

الٰہی یہ کیا ہو گیا دو گھڑی میں
زمیں ہو گئی خون سے ارغوانی

وہ سینے میں رستم کا خنجر گڑا ہے
دریغا جوانی! دریغا جوانی!

کیا کیا نہ دل کی حسرتوں کا روز خوں ہوا
کیا کیا نہ کوئی عشق میں خوار و زبوں ہوا

اس کی نگاہِ ناز نے کیا کیا دیئے فریب
کیا کیا نہ اہلِ درد پہ سحر و فسوں ہوا

لہرائی ایک بار وہ زلفِ خرد شکار
پھر عمر بھر نصیب نہ صبر و سکوں ہوا

نالے نکالتے ہی کٹی عمرِ اہلِ شوق
شب درد کم ہوا بھی تو دن کو فزوں ہوا

کب راس آئیں شہرِ شبستاں کی رونقیں
ہر دشت اب تو دشمنِ اہلِ جنوں ہوا
یہ رہروانِ کوچۂ تمنا کی بے کسی
ہر سنگ سدِ راہ بنا، بے ستوں ہوا
ظاہر یہ کس کی لاش پہ روتا ہے کوہسار
دیکھو، علم بہار کا وہ سرنگوں ہوا

میں دیکھتا ہوں کہ جوئے شیریں بڑی متانت سے بہہ رہی ہے
کوئی سنے تو وہ آج بھی داستانِ فرہاد کہہ رہی ہے
میں دیکھتا ہوں سیہ چٹانوں کے غم سے ہیں چاک چاک سینے
نہیں کہ اہلِ وفا کا ماتم کیا نہیں دوستو، کسی نے

میں دیکھتا ہوں کہ جوئے شیریں نہیں کوئی جوئے درد ہے یہ
تجلی حسنِ آب اندام کیا ہے اک سیلِ گرد ہے یہ
یہ موج در موج آہ و زاری یہ ولولہ در ابر اشکباری
شفق شفق سے خراج لیتی ہے خونِ مفلس کی لالہ کاری

یہ دیکھتا ہوں کہ سالہا سال سے سیہ پوش بے ستوں ہے
اسے بھی غم ہے کہ اس کی گردن پہ ایک تفتہ جگر کا خوں ہے

وہ جس نے ایوانِ خسروی کو ہنر کا پیکر کدہ بنایا
وہ جس نے سیمائے سنگ کو اپنا خون دے دے کے جگمگایا

وہ بے نوا جس نے قصرِ شاہی کو حوصلہ مندیاں عطا کیں
وہ جس کے اشکوں کی سرخیاں عمر بھر حنا بندیاں بنا کیں
وہ جس نے خونِ جگر کا ہر قطرہ خاک پر اس طرح گرایا
کہ شام کو بن کے شاہ کے بخت کا ستارا وہ جگمگایا

وہ گرم خوں گھل گیا کسی کے جو پیکرِ قامت و قبا میں
وہ شوخیاں جو سمٹ گئیں شعلہ کاریٔ سُرخیٔ حنا میں
وہ شورشِ عشق بن گئی جو خرامِ محبوب کا بہانہ
وہ کوہکن جس کے دل کی دھڑکن سے کانپتا رہ گیا زمانہ

وہ صاحبِ فن کہ جس کے تیشے کی ضرب آہنگِ جاودانہ
وہ جس کے دستِ ہنر کی زد میں پہاڑ، صحرا، اجل، زمانہ
وہ جس نے بے جان پتھروں کو عطا کیا پیکرِ یگانہ
ستم کہ وہ بن گیا کمانِ ہوس کے اک تیر کا نشانہ

میں دیکھتا ہوں کہ رودِ شیریں کی آج ہر موج سینہ زن ہے
میں دیکھتا ہوں وطن وطن آج ماتم مرگِ کوہکن ہے
وہ آج خاموش ہو گیا جس نے پتھروں کو زبان بخشی
وہ اہلِ فن جس نے حسن کو موت کے ستم سے امان بخشی

وہ مردِ مزدور جس کا تیشہ نشانِ اہلِ ہنر بنا ہے
وہ جس کی ایک ایک ضرب نے ظلمتوں کا لشکر کچل دیا ہے
وہ نوجواں کھا گئیں جسے بے ستوں پہ اک پیرزن کی باتیں
مگر اسے کیا کہیں جہاں در جہاں ہیں اب کوہکن کی باتیں

کہاں شبستانیانِ پُرشوق ہیں کہاں ہیں وہ کاخ و ایواں
کہاں وہ بامِ بلند وہ ماہتابِ رخشاں وہ چشمِ حیراں
کہاں گئے حجلۂ نگاریں کہاں گئے وہ نگار خانے
نہ محملِ گلرخاں نہ بانگِ جرس نہ آوازِ کاروانے

نہ قصرِ شیریں کی جنتیں ہیں نہ تاب و تمکینِ تختِ خسرو
کسی کے حسنِ حیات افروز کی نہ خوشبو نہ کوئی پرتو
نہ آج ذوقِ جمال کی وہ نشانیاں ہیں نہ شعلہ رُو ہیں
یہ چند ٹوٹے ہوئے مکاں یہ کھنڈر تو آنکھوں کے رُوبرو ہیں

نہ طرّۂ زلف کی وہ لشکر کشی نہ پرچم کشائیاں ہیں
نہ کولی نہ تجیر ہے نہ کوئی صدا نہ شعلہ نوائیاں ہیں
نہ وہ نکیسا نوا نہ زہرہ لقا نہ وہ ماہ رو مغنّی
نہ خود سواران عرصۂ جاں نہ کوئی نقش و نگار فنی

نہ برج در برج ناچتی چاندنی نہ وہ کھیلتے اُجالے
نہ جالیاں ہیں نہ وہ جھروکے نہ جھانکتوں کو پرکھنے والے
وہ طاق در طاق کتنی شمعیں سیاہیوں کی تہوں میں گم ہیں
وہ زندگی کی حکایتیں آج موت کے قہقہوں میں گم ہیں

نہ چشم مستاں کی صہبا سامانیاں نہ ساقی گری کے ساماں
نہ وہ گھنے گیسوؤں کی چھایا نہ سایۂ بخشیٔ طرفِ داماں
نہ چاک پیراہنی کے شکوے نہ ماہتاب و کتاں کی باتیں
نہ گیسوئے خم بخم کی راتیں، نہ لعلِ آتش فشاں کی باتیں

میں دیکھتا ہوں کہ بے ستوں کی صفوں پہ کوئی فسوں ہے طاری
نہ لحنِ رامشگراں نہ وہ خوش نوائے فردوسِ شہریاری
وہ بار بد جس کے سات سُر ہفتخوانِ رستم سے بھی نرالے
وہ سو گیا ہے جبین و رُخ پہ سُروں کی سیمیں ردائیں ڈالے

چمن چمن ایک دشتِ ویراں نہ وہ روش ہے نہ رہگذارِ غزالاں
نہ اب سرو سیر کے وہ ارماں نہ وہ سحرِ رنگ و سازِ مستاں
نہ وہ شفق رنگِ محل باقی نہ وہ ستاروں بھری فصیلیں
الٰہی! یہ ہونکتی چٹانیں، یہ سونے ٹیلے یہ خشک جھیلیں

میں دیکھتا ہوں برہنہ سر ڈائنیں خرابوں میں اونگھتی ہیں
وہ جاگتی ہیں تو مردہ لمحوں کی لاشیں اٹھا اٹھا کے سونگھتی ہیں
سیاہ سایوں کو نوچتی ہیں تو بے ستونوں کو دبوچتی ہیں
کبھی کبھی موت کے اندھیروں کو دیکھتی ہیں تو سوچتی ہیں

نہ سازِ سامانیاں ہے باقی نہ سرو سامانیاں ہے کوئی
نشانِ فضلِ کیانیاں ہے نہ شانِ اشکانیاں ہے کوئی
جلالِ دارا، شکوہِ کسریٰ، نہ بانگِ سلطانیٔ جم و کے
نہ وہ مدائن کے محل و ایواں نہ رونق و رنگِ دولتِ رَے

ضحاک سے شہریارِ سفاک و مردِ بیباک اب کہاں ہیں
بشر بشر کا لہو تھا جن کی نظر میں تریاک، اب کہاں ہیں
درفشِ کاوہ نہ وہ فریدوں کا لاؤ لشکر نہ بارگاہیں
وہ بارگاہیں کہ جن کی باہوں میں بیکسوں کو ملیں پناہیں

میں دیکھتا ہوں شہانِ جم کو کہ کے ایوانِ معدلت میں
وزیر و سالار آج اپنے ستم کی رُوداد سُن رہے ہیں
سپاہیوں کی صفیں گراں تا گراں وہ دیکھو کھڑی ہوئی ہیں
یہ سولیاں ظالموں کی خاطر قدم قدم پر گڑی ہوئی ہیں

درفشِ کاوہ عوام کی عظمت و بسالت کا ہے اشارا
چمک رہا ہے بلندیوں پہ وطن کی تقدیر کا ستارا
پھٹی ہوئی دھونکنی کا چمڑا یہ دھجیاں پیرہن کی ہائے
یہ پرچمِ سلطنت کھلا تو لرز گئے ظلمتوں کے سائے

سریرِ گل پر وہ شہریارِ ستارہ گیر و شریف و دانا
یہ کاغذی پیرہن میں فریادیوں کے ٹولے یہ شور و غوغا
مگر فریدونِ پاک دل ہے کہ داد انصاف دے رہا ہے
غریب لوگوں کی بات سنتا ہے، نذر اشکوں کی لے رہا ہے

الٰہی کیا ہوگیا؟ اُبھرنے لگے یہ تاریک و تار سائے
فرِ فریدوں نہ دارِ دارا نہ تیغِ سنجر نہ راست رائے
نہ صولت و سطوتِ سلاطیں نہ تختِ جمشید کی نشانی
وہ اہلِ محفل کو نیند آنے لگی کہ اب ختم ہے کہانی

سلام آثار آلِ ساسان پر قم و رَے کے کھنڈروں پر
سلام شامِ خموش کی طرح ان سیہ پوش مقبروں پر
سلام ویران ہیکلوں پر سلام سُونے صنم کدوں پر
سلام ماضی کے حسن کافر پہ حسنِ کافر کے عاشقوں پر

یہ فردوسی نامور اس خدائے سخن گستراں کی زمینِ گرامی
وہ جس کے حسیں شاہنامے پہ قرباں ہے شیریں زبانوں کی شیریں کلامی
وہ فردوسی نامور وہ سرِ اوستادانِ اقلیم لفظ و معانی
وہ فرمانروا جس کی دنیائے شعر و سخن پر رہے گی سدا حکمرانی

وہ شاعر کہ جس کی نظر نے چٹانوں کو پیکر کدوں کی تجلی میں ڈھالا
وہ جس کا لہو بن گیا روئے ایران پر عظمتِ جاوداں کا اُجالا
وہ فنکار جس کے شگافِ قلم سے نکلتی رہی ہیں نرالی ضیائیں
یہ شعروں کی صورت میں نغمے یہ نوحے یہ نالے ترانے یہ رنگیں صدائیں

یہ سعدی کے پر نور کوچے، گلستاں کے اوراق یہ بوستانِ بہاراں
انہی شاہراہوں پہ کھیلا ہے وہ شہریارِ غزل وہ شہیدِ نگاراں
وہ سعدی کہ جس کا سخن آج بھی محفل و مدرسہ کیلئے آبرو ہے
حسینوں کا زیور فقیروں کی دولت تو مستوں کو صہبائے خوش کا سبو ہے

وہ سعدیؔ وہ سیاحِ گیتی وہ صحرانورد و شناسائے دشت و بیاباں
ولایات و امصار کا محرمِ راز وہ راہ پیما، سرِ کاروانان
وہ شاعر وہ نثّار وہ عاشقِ مست وہ چٹکلے باز مردِ گرامی
حکایت شکایت سے کہ پڑھتے میں آنسو یہ اذکار روانی کا عہدِ عوامی

یہ حافظؔ کے بازار و دونوں طرف یہ دکانیں یہ گلیاں یہ کوچے یہ راہیں
یہ آہو خرامانِ شیرازہائے یہ نشے لٹاتی ہزاروں نگاہیں
نہ ہے آبِ جاں پرورِ رکنِ آباد نہ ہے خاکِ گلگشتِ پاکِ مصلّٰی
ہواؤں کے ہونٹوں پہ تازہ غزل، چشمہ چشمہ سرودِ بتانِ دل آرا

خد و خالِ ترکاں کہ جن پہ تصدق ہے تختِ سمرقند و تاجِ بخارا
وہ رومان پرور دریچے جو کھلتے ہیں پچھودلیوں کا وہ عالم خدارا
قباؤں میں سمٹی ہوئی بجلیاں، جو نقابوں کے اندر بھی آتشکدے ہیں
جو طفلانِ مہ رُو کو دیکھو تو ایسا گماں ہو کہ جنت کے آہو بچے ہیں

یہ خیامؔ سے فیلسوف و ستارہ شناس و جہاں بیں کی پرنور دنیا
یہ خیام سے مے پرستوں، خراباتیوں کی جنوں مست و مخمور دنیا
وہ دانائے اسرارِ حُسن و جوانی، انیسِ بشر، محرمِ زندگانی
وہ جس نے رباعی کی صورت میں آنسو بہائے، لکھا نوحۂ عمرِ فانی

گلوں کو جو دیکھا تو رنگیں عذاروں کی مٹتی ہوئی تربتیں یاد آئیں
صبا کو جو دیکھا تو جنت کناروں کی بھولی ہوئی تربتیں یاد آئیں
گزر جو کبھی میکدے میں ہوا تو لبانِ شکر خند جام کی یاد آئی
مہ و خور کو دیکھا تو رندِ مشرف گدایانِ مشہدِ ایام کی یاد آئی

سرود آفریں مغبچوں کی صدائیں یہ رومان پرور ہزاروں سرائیں
قم و یزد کی نازنینوں کے نغمے، گھنے گیسوؤں کی معطر ہوائیں
سرائیں کہ دامن میں جن کے زلیخاؤں سلماؤں کے حسن کی داستانیں
حکایاتِ عشق و جنوں کیا سنو گے، کہاں کھولتی ہیں یہ اپنی زبانیں

دمشق و بخارا سے آتے ہوئے کاروانوں کو سوداگروں کو بھی دیکھو
ادھر محملوں سے اترتی ہوئی مہ جبینوں کو رسیمیں بدن کو بھی دیکھو
یہ دیباج و ریشم میں لپٹی ہوئی بانوانِ جواں یہ کنیزیں بھی دیکھو
یہ ہیروں سے آراستہ آستینیں قمیضوں میں کچھ اور چیزیں بھی دیکھو

یہ قالین دیکھو یہ قلیان و قہوہ کی جمتی ہوئی محفلیں اللہ اللہ
یہ انگڑائیوں کے حسیں دائرے یہ چھنکتی ہوئی پائلیں اللہ اللہ
برستی ہوئی شبنموں سے بچا ہیں تو آؤ، غمِ دو جہاں بھول جاؤ
کسی زلف کو چوم کر دوستو بے خطر تختۂ دار پر جھول جاؤ

خبردار اے دل خبردار اے دل کہ اب سامنے اور ہی آستاں ہے
حریم رِضا ہے یہ سجدہ گہِ عاشقاں، مشہدِ پاکِ شاہِ شہاں ہے
کسے تاب ہے بے حجابانہ آئے کسے حوصلہ ہے کہ آنکھیں اٹھائے
زمانہ ادب سے ہے آنکھیں جھکائے، تو حوریں ہیں راہوں میں گیسو بچھائے

خبردار اے چشمِ پرشوق ہشیار، آدابِ دیدار کا ہے تقاضہ
کہ اشکوں سے پہلے وضو ہو تو پھر آستانِ امامت پہ دل کا ہو سجدا
یہ وہ کشورِ پاک ہے جس کا ہر ذرّہ ذرّہ نظرگاہِ قدّوسیاں ہے
یہاں تاجداروں کے سر جھک گئے ہیں یہاں سرنگوں پرچمِ خسرواں ہے

خبردار اے دل خبردار اے دل یہ دربارِ لختِ رسولِ امیں ہے
نبیِٔ دو عالم کا فرزند نانا کے تختِ ولایت پہ مسند نشیں ہے
یہ خاتونِ جنت کے تاجِ سیادت کا وہ تابناک و درخشاں نگیں ہے
گہربار جس کی تجلّی سے آلِ محمدؐ کی ساری صفِ ہشتمیں ہے

یہ شہرِ فرمانروا اصفہاں یہ نصفِ جہاں
یہ باغ و راغ یہ محلّات و حرمریں ایواں
یہ جگمگاتے ہوئے قصر یہ درو دیوار
کہیں زمرّد و نیلم کے ہفت پہلو ستون

عقیق و عاج کے ترشے ہوئے سُبک مینار
طلائے ناب کے زینے پہ سیمگوں محراب
یہ چل ستون ہے وہ جولانگہِ علیؑ قاپو
یہاں پہ چاندنی راتوں میں لطف رہتا ہے
شبدیز نقروں پہ شہزادیاں نکلتی ہیں
عنانیں ہاتھ میں تھامے ہوئے فگندہ نقاب
نرالی شان سے چوگان کھیلتی ہیں تمام
دل و نظر ہیں غزلخواں وفا کی راہوں میں
چلو کہ تم کو دکھائیں شاہ کا دربار
ہوا کا دامنِ فیروزگوں تعال اللہ
بچھے ہوئے ہیں شفق رنگ و عصفریں قالین
یہ شعلہ خیزیاں، گل ریزیاں بھی دیکھو تو
کنواریوں کی دعاؤں سے پھول کھلتے ہیں
شراب و شاہد و شعر و شباب ہم آغوش
کہیں پہ جھیلوں کے چشموں کے رنگ ملتے ہیں
کہیں پہ سایۂ سرو و چنار و موجِ بہار
کشیدہ قامت و نوبادگانِ سبز جمال
بُنا ہے ان کو حیادار نازنینوں نے
انھیں سیا ہے ستارہ جبیں حسینوں نے

سر سریرِ امارت ہیں صفوئ اعظم
وہ نوجواں ہے ولی عہدِ دولتِ ایراں
کھڑا ہے پہلوئے شہ میں جو مردِ نیک منظر
یہی بزرگ مدارُ الہام ہے، دیکھو
وہ کھویا کھویا خیالوں میں ڈوبا ڈوبا سا
وہ اک نگاہ کہ جو اپنے آپ میں گم ہے
یہ نام آورِ دوراں ہے محتشم کاشی
یہ ہفت بند کا شاعر ہے شاعرِ یکتا
ہیں اپنے اپنے مقامات پر سفیر و امیر
سنو کہ وہ سخن آرا ہوئے شہِ والا

شہنشاہ طہماسپ صفوی۔ "ہمیں تعجب ہے،
آج فردوسئ سخن آفریں کی دنیائے شعر چپ ہے؛
نہ جانے سعدی کی سرزمیں سوگوار کیوں ہے؛
یہ حافظِ خوش نوا کا معمورۂ ہنر آج گنگ کیوں ہے
جواب دو، اپنے حکمراں کو جواب دو

ایک شاعر
شہِ معظم،
غلام، ناچیز فکر و فن کی بلندیوں پر اڑے چلے جا رہے ہیں
لیکن ستارۂ شعر جگمگائے
کوئی صدائے سروش آئے

کوئی گلِ نو دمیدہ شاخِ سخن پہ لہرائے تو حضوری میں نذر لائیں

شہنشاہ — ہمیں نظامیؔ کی بارگاہِ کمال سے
جامیؔ و منوچہرؔ و انوریؔ کے وطن سے،
خیامؔ کے تصور کدے سے
خاقانیؔ نکتہ رس کے معبدِ فکر سے
فقط ایک شعر کی آرزو ہے
بولو، جواب دو!
اپنے حکمراں کو جواب دو!

دوسرا شاعر — بندگانِ عالی، ہمارے سینوں میں حضرتِ شاہ کا گلہ ایک خار بن کر کھٹک رہا ہے
کوئی کرن خوابگوں دھندلکوں میں نیم لحظہ نہ مسکرائی

تیسرا شاعر — جگر کا خوں بھی بہا کے دیکھا نہ رنگ آیا
خیال کی ظلمتوں میں کوئی ستارہ تڑکیا
نہ ایک جگنو بھی جگمگایا

شہنشاہ — مگر زمانہ سنے گا تو کیا کہے گا سوچو!
نہ بن پڑا ایک شعر کا بھی جواب ہم سے
یہ بات اے کاش داد و تحسین تک ہی رہتی
خراج دینا پڑا ہمیں ایک دہلوی کو
یہ چپ لگی ہے سخن سرایانِ پہلوی کو

چوتھا شاعر حسنؔ بھی اک شاعرِ گرامی ہے ظلِّ داور

شہنشاہ کچھ ایسے عاجز نہ تھے ہمارے جواں سخنور

(دربان آداب بجالاتا ہے)

دربان حضورِ شاہ میں گر اذنِ باریابی ہو

تو ایک شاعرِ خوشگو پہ لطف و احساں ہو

شہنشاہ بلاؤ، جلد بلالاؤ، کون ہے دیکھیں!

(شاعر آداب بجالاتا ہے)

شاعر خطا نمودہ ام و چشمِ آفریں دارم

شہنشاہ تمہارا نام؟

شاعر غلام کو لوگ یزدی کوہی کے نام سے ۔۔۔

شہنشاہ کام؟

شاعر شعر و انشا کا شوق ہے شاہِ علم پرور

شہنشاہ کہو حسنؔ کا جواب لائے ہو

یزدی کوہی عرض کرتا ہوں ظلِّ داور

شہنشاہ سناؤ کوہی مگر سمجھ لو کہ ما بدولت کی آبرو کا معاملہ ہے

یزدی کوہی خدائے برتر غلام کو سرخرو کرے گا

شہنشاہ سناؤ کوہی کہ ہم بہت صبر کر چکے ہیں

یزدی کوہی گلگل شدہ پیراہنم از دُردِ مئے پالودگی

شہنشاہ مصرع گلگل شدہ پیراہنم از دُردِ مئے پالودگی
دہراتے ہیں

اہلِ دربار مصرع دہراتے ہیں گلگل شدہ پیراہنم از وردِ بے پالودگی
یزدی کوہی گلہائے رسوائی شگفت آخر ازیں آلودگی
شہنشاہ جز اک اللہ تعالیٰ اللہ!
یہ شعر ہے، یہ حسن کے اُس شعر کا مکمل جواب ہے
تم نے اپنے سلطاں کی آبرو رکھ لی آج کوہی
سخنوروں کی یہ سرزمیں آج تیرے فکرِ رسا کی ممنون ہے
یزدی کوہی کرم نوازی ہے یہ سخن پروری ہے سلطانِ علم پرور
شہنشاہ ہمارے شاعر کو آج سونے میں تول کر
صدقۂ سخن بانٹ دو،
دہن موتیوں سے بھر دو
محتشم یہ قدر دانی ہے ظلِّ داور
یزدی کوہی یہ قدر دانی ہے ظلِّ داور
مگر یہ دیکھیے اب کون سامنے آیا
بلند و بالا، ستودہ شیم، اداس اُداس
یہ اس کے موئے پریشاں یہ میلا میلا لباس
مگر ثباتِ قدم سے جلال ظاہر ہے
تجملاتِ شہی کے نظر میں سب آداب
حضورِ شاہ میں کچھ ادا سے جھک کے اُٹھا
کہ جھوم جھوم اُٹھے اہلِ دولت و دربار

سنو کہ پایۂ اورنگ تھام کر بولا

بیرم خاں — شہنشہِ ذی وقار کی بارگاہ گردوں جناب میں
یہ غلام تسلیم پیش کرتا ہے
آنسوؤں کا حقیر تحفہ بھی نذر لایا ہے ظلِّ داور
خدا گواہ ہے کہ وحشتِ غربت کے نامرادوں کے پاس
کوئی بھی تو متاعِ گراں بہا اب نہیں رہی ہے
مگر جو حسنِ قبول پائیں تو پھر یہ بوندیں بھی لعل و جواہر سے قیمتی ہیں

شہنشاہ — یہ نذر ہم نے قبول کر لی
مگر ہمیں یہ بتاؤ تم کون ہو؟
یہ آدابِ گفتگو تم نے کونسی مملکت میں سیکھے ہیں؟
بادشاہوں سے بات کرنے کا یہ سلیقہ کہاں سے پایا؟

بیرم — شہنشہِ دیں پناہ، فریدوں نگاہ، جم بارگاہ،
یہ نامرادو ناچیز آلِ تیمور و نسلِ بابر کا ایک ادنےٰ غلام ہے

شہنشاہ — اور نامِ نامی؟

بیرم — حضور ناموں میں کیا رکھا ہے!
بھٹکتے سایوں، سسکتی روحوں کے نام کیسے؟

شہنشاہ — بجا مگر ازرہِ تعارف،

بیرم — حضور سے قدرداں بیرم پکارتے ہیں

شہنشاہ — کہاں سے آنا ہوا ہے مردِ محترم

بیرم — دیارِ ہندوستاں سے آقا،

شہنشاہ — یہاں پہ تشریف کا سبب؟

بیرم — گردشِ زمانہ، نوائے الطافِ خسروانہ،

شہنشاہ — خدائے برتر کرم کرے گا،

بیرم — شہِ دماوند، تاجدارِ بہشت الوند
آج بابر کا نیک فرزند
ہاتھ سے بھائیوں کے زخم و گزند کھائے ہوئے طلبگارِ مرحمت ہے

شہنشاہ — شہنشہِ ذی کرم کا فرماں پیش فرمائیں
تاکہ حالات کو سمجھ کر قدم اُٹھائیں

بیرم — مگر یہ سوچیں تو ظلِّ داوَر
کہ ایک آوارۂ وطن شخص کوئی فرمان کیا لکھے گا؟

شہنشاہ — ہمارا بھائی ہمارے گھر میں ہے!

بیرم — دادگستر!

شہنشاہ — کہاں چھوڑ آئے آپ ان کو
کہاں بٹھا آئے آپ فرمانروائے ہندوستاں کو!
بانوئے سلطنت بھی تو ساتھ ہوں گی؟

بیرم — کنارِ دریا حضورِ اقدس!

شہنشاہ — ہمارے بھائی ہیں دامنِ زندہ رود میں!
آج ماہ دولت کی بہن بیٹی ہیں رہگذر میں

بیرم اداس لہجے میں یہ ایک تلخ حقیقت ہے اے شہِ والا
بھٹکتا پھرتا ہے تیمور کا جگر پارا
نہ تیغ ہے نہ سپر ہے نہ پاس ترکش ہے
یہ روسیاہ فقط یادگارِ ارتش ہے
شہنشاہ حکم دیتے ہیں کہ فرزندِ حکومت جائیں
ماہ دولت کے برادر کو یہاں لے آئیں
فوج تعظیم کو استادہ رہے رستوں پر
طبل و نقارہ و قرنا و علم ساتھ رہیں
بہن کو بانوئے ایران سلامی دیں گی
پیشوائی کے لئے جائیں گی پیدل چل کر
شہر میں آئیں تو پھر قلعہ سے تو ہیں سر ہوں
راستے بھر میں لٹاتے گل و گوہر جاؤ
روز اس طرح کے مہمان کہاں آتے ہیں
متوفی الملک حضور ناچیز کو اگر اذنِ گفتگو ہو تو
شہنشاہ ہاں کہو
متوفی الملک سرزمینِ ہندوستان کا یہ تاجدار سُنی ہے، آپ شیعہ ہیں
شہنشاہ تم پہ لعنت ہو،
تم یہ کیا بات کر رہے ہو،
یہ شیعہ سنی کی بحث کا وقت ہے کہ انسانیت نوازی کا،

دوست کی دلدہی کا، احباب پروری کا حسیں تقاضا

محتشم: خدا و بندہ کے درمیان رابطہ نہیں ہے کوئی تماشا

متوفی الملک: غلام نے ایک

شہنشاہ: اس دریدہ دہن کو، اس نابکار کورو سیاہ کو پیل مال کر دو

محتشم: حضور اس نامراد کو بخش دیں

قدومِ شہنشہِ ہند کے تصدق میں بخش دیں

اور بھی اسیرانِ تخت کو برکتِ ہمایوں سے آپ دیں مژدۂ رہائی

کہ آج ہنگام عید ہے

روزِ نیک و یومِ سعید ہے

بیرم: داورِ جہاں و جہانیاں!

آپ کا یہ دریوزۂ عنایات بھی ہے شیعہ

غلام گر چاہتا تو مذہب کا یہ سہارا ابھی آج لیتا

شہنشاہ: ہماری انسانیت نوازی پہ حرف آتا

پھر ہم مسلمان ہیں،

ہمارا خدا، ہمارا نبی، ہماری کتاب و کعبہ بھی ایک ہے

پھر یہ بحث کیسی؟

یہ مجتیں کیا؟

محتشم: جزاک اللہ

شہنشاہ: ہمیں ندامت ہے، خانِ اعظم کے سامنے آج سخت شرمندہ ہیں

کہ دربار میں انھیں ایک تلخ و ناپاک بات سہنا پڑی
ہمیں بھی ذلیل ہونا پڑا — مگر

بیرم: آسماں پناہ!

شہنشاہ: ایک التجا ہے!
امیرِ عالی مقام سے آج اپنی عزت کی بھیک ہم مانگتے ہیں

بیرم: سلطانِ دین پرور

شہنشاہ: ہمارے بھائی سے اس قضیے کا تذکرہ

بیرم: مطمئن رہیں ظلِّ کبریا!
اس حقیر کے چشم و گوش کتنی امانتوں کے امین ہیں

شہنشاہ: گردشیں کون ستاروں کی سمجھ سکتا ہے
کون پا سکتا ہے شاہنشہوں کا ظرف و ضمیر

بیرم: آلِ تیمور یہ احساں نہ کبھی بھولے گی
سرخمرو آپ سے اولادِ ہمایوں ہو گی
مل کے ہمداستاں پھر آج ہیں اللہ اللہ
ایک تسبیح کے کھوئے ہوئے دانے دونو
مل گئے دینِ محمد کے گھرانے دونو
بینیٔ شاہ پہ جس طرح بھنوئیں ملتی ہیں
جیسے لہرا کے چراغوں کی لوئیں ملتی ہیں

شہنشاہ: جشنِ شاہانہ کی تیاری ہو

خانِ خاناں کے لئے خلعتِ زرکار، حریر
اسپ آراستہ جیغہ و مرصع شمشیر

بیرم — اللہ اللہ یہ تسخیرِ ولایت کی نوید
دولت و مرحمت و لطف و عنایات مزید

(غزل سرا کی آواز)

آمد بکنار یار برخیز — آں نازشِ روزگار برخیز
بیں فیضِ نسیم و جلوۂ گل — اے خفتہ بر ہزار برخیز
پیمانۂ عیش نوشِ جاں کن — اے شاعرِ خاکسار برخیز
ہاں مژدۂ شعر و شاہد و شمع — اے یار چہ انتظار برخیز
از ردّ و قبولِ مذہب و کیش — چہ بحث ترا چہ کار برخیز
از مجلسِ کفر و دیں برون آ — از بسترِ خار خار برخیز
اے بر سرِ خاک اوفتادہ — آمد آں شہسوار برخیز
بچشمہ حیاتِ تازہ — در وادی و کوہسار برخیز
فرضیت خیر مقدمِ ابر — آمد آمد بہار برخیز

زیبِ اورنگِ حکومت ہوئے عباسِ کبیر
پھر نئے سر سے روایاتِ وفا تازہ ہوئیں
آئے سلطانۂ افرنگ کے سالار و سفیر
اس طرف اکبرِ اعظم سے تعلق ٹھہرا

رخنۂ در نہ کوئی قصرِ محبت میں شگاف
آج بھی آئینۂ خاطرِ یاراں ہیں کہ صاف
ہم نے کس وقت یہ زنجیرِ وفا پہنی تھی
جادۂ عشق پہ کس وقت قدم رکھا تھا
جانے کس لمحے کی آواز پہ کھائیں قسمیں
مٹ گئیں ساری حدیں، فاصلے، ساری رسمیں
سالہا سال سے ہم ایک چلے آتے ہیں
غیر بھی اپنی محبت کی قسم کھاتے ہیں
یوں روایات کے بندھن کو ہوئے ہیں برسوں
عشق میں ورنہ کوئی آج نہ کل اور نہ پرسوں
ایں سرزمینِ بزرگِ ایراں
زفیضِ یک مردِ نیک وخود ساختہ، توانا
زعزمِ مردانۂ رضا شہ کبیر، زندہ
سلام برآں شہنشہِ محتشم
آں دارائے محترم
آں جسور و مردِ غیور و یکتا
کہ سرزمینِ وطن را
از انحطاط و ظلم و زوال و ذلت نجات بخشید
نیک دانم

کہ در زمانِ سیاہ و تاریک و دورِ ناپاک
در ہجوم بلا و نازک ترینِ لحظات
آں جوانِ اجل پرست و دلیر و دانا
قدم بمیداں گزاشت
شاہے کہ در تہور دگر نظیرے نداشت
با ہمت و فداکاریٔ یگانہ
سفینۂ قوم را ز عرقابِ نیستی
سوئے ساحلِ زرفشاں، کنارِ اماں کشید و وطن را
ایران را
جمال و جلال و آزادیٔ نوین داد
زندگانیٔ ایں سپہدارِ نامور
در حوادثِ بے شمار پر درد بود
آمیختہ با صد مشکلاتِ سنگیں
مگر برائے نجاتِ ملت
برائے حفظ و حیاتِ ایران
برائے ناموسِ ہر بشر
بمبارزاتِ شدید و ہمت شکن
شب و روز دست زد
کارِ سخت از جاں گزشتگی کرد

آفرینندہ جہان عجسم را
من نابغہ نویسم
بدونِ شک تا جہان باقیست
روئے مردانۂ شہنشاہے بے عدیل و کریم
در قلبِ پاکِ تاریخ نقش بستہ
ز فیضِ شاں
نسلہائے آئندہ شادماں
من یقین دارم
کہ نام شاں زندہ و درخشان و جاودانست
کارہائے بزرگ در عہدِ مختصر کرد
داد فرہنگ نو وطن را
شہے کہ تاسیسِ ارتشِ خویش کرد
از شوق و ذوقِ ایجاد
لشکراں را شکوہ بختی و نیرو مندیٔ رفتگاں داد
پاسبانے کہ ہر عدوئے وطن را سرکوب کردہ دیدم
کہ
نظم و امنیت چمن بودست ازگم دید
اعلیٰ حضرت فقیدِ شاہِ کبیر را ازیں سبب ستانم
بنائے عمراں

بنائے آبادیِ چمن استوار کردہ بچشم
خدمات آں ستارہ شکار
در ہر کنار و ہر گوشہ مے خورد
نامِ شاں حقیقیت جاودانی
ایں نامِ نیکو کہ در قلوبِ سخنورانِ جہاں
فراموش نشدنی دارد

سلام بر نامش در دانش
سلام بر عمرِ جاودانش

زہے فردوسِ نوروز و نگاراں
دیارِ دلبراں جادوکناراں
زہے معمورۂ حسن و جوانی
زہے ایں ملکِ عیش و خوش بیانی
تعالی اللہ طرب گاہِ نظامیؒ
زہے دنیائے نورالدین جامیؒ
سلام اے سرزمینِ شمس تبریزؒ
گہربار و گہرخیز و گہربیز
بہارِ نامیہ پرور سلامے
بہارِ ملت و کشور سلامے
خداوندِ ہنر اُستاد بہزاد
کہ نقش از خامۂ بہزاد بہ زاد
زہے آقائے تجویدیِ گرامی
کہ بستہ بر دلاں نقشِ دوامی
امیرِ کارگاہِ رنگ و روغن
اماما رہروانِ جادۂ فن
خدا داند بہاں مستم کہ ہستم
ثنا را مے پرستم مے پرستم
پرستارِ کتاب و کاتبی ام
ثناخوانِ نوید ثاقبی ام

شناسم ہاں شناسم نیک از بد
منم دیوانۂ ہادیٔ مشہد

شریکِ کاروانِ خوش بیانی
شریکِ ہاد و ہوئے زندگانی

جبینِ رازدارِ عمرِ فانی
جزاک اللہ گلچینِ معانی

دہم آواز ہر شیریں نوا را
برومند و سلیمی و صبا را

کجائی سرمدِ دوراں کجائی
بیا اے مرغِ خوش الحاں کجائی

دلم از شعرِ تو در سینہ رقصاں
چوں شعلہ در سبوئے جاں فروزاں

سلامے بر منیرِ رنجدیدہ
فگارے، نو بہارے، غم گزیدہ

سلامے بر فروغِ زار و گریاں
سلامے بر عروسِ شہرِ ارماں

زہے اشعارِ سیمیں بہبہانی
گہے نوحہ گہے لحنِ جوانی

سلام اے لعبتِ ہشیار و طناز
سلام اے محرمِ خلوتگہہ راز

زہے آہنگِ پروینِ نکونام
زہے فکرِ فریدہ نیک فرجام

ز شہدِ لطف شاں چوں پر قدح شد
مبارک ملک شاں ہم پر فرح شد

مگر با یک طبیبے کار دارم
چہ گویم کہ چہ آزار دارم

زمانہ رفت بود آں شوخ مہماں
سوئے ما آمد آں سلطانِ خوباں

شہابے بود و یک لحظہ درخشید
کجا رفتی کجا اے دختِ خورشید

خیالت از دو چشم خواب بُردہ
دلم چوں شمع کشتہ شمع مُردہ

مسیحا بودن و افزودنِ درد
ببیں ایں روئے تشنہ رنگت زرد

فغاں اے عشقِ من اے عشقِ ناکام
بروائے آرزو اے حسرتِ خام

مسیحا بود لیکن درد افزود
علاجِ خاطرم بے سود، بے سود

چه امید بحالی چه دوائے   کجائی اے بت معجز نمائے
بیاور در کام من شهد وفا ریز   بیا یک جرعهٔ آب بقا ریز
ز مرگ این جنون پیشه حذر کن   بیا، بر خیز، بر حالم نظر کن
رخ از من گرچه گردانی مگردان   گلے پشتے ندارد جان جانان

سلامے اے طبیب دردمندان
توئی درد و توئی دارو و درمان

پاکستان

اُف یہ گمکارتی گھنگھور گھٹائیں، کاری
بال بکھرائے ہوئے برہ کی ماری ساری
آج رنواس کے سب توڑ کے بندھن نکلیں
پدمنی رانیاں بن بن کے برو گن نکلیں
گوپیاں گنگا کنارے یہ دوانے دوالے
ناچتی پائلوں کی دُھن پہ بلاتی ہیں کسے
ڈھونڈتی پھرتی ہیں کس شیام کو سندر بن میں
چہچہاتے ہوئے رُوحوں کے پکھیرو، پنچھی
اپسراؤں کے ٹھکانے کہیں چتناروں میں
رُوپ کی دھوپ یہ پرکاشس، انوپم پرتاب
رینگتے ناگ، جواں شیر، لپکتے چیتے
سر جھکائے ہوئے ہاتھی کہیں پانی پیتے
زندگی موت کے سائے میں چلے جاتی ہے
سیگوں ندیاں، پھولوں سے لہکتی جھیلیں

نیل سر، قاز، بطیں، ہنس ہزاروں سرخاب
سندری بن ہے جو دیکھو تو مدھوبن کا جواب
یہ گرجتا یہ امڈتا یہ برستا بادل
دامنی جیسے کوئی چلبلی الھڑ ناری
تیلیاں توڑ کے چلمن کی ہنسے جاتی ہو
آج تو میگھ پتی اور طرح ہی برسے
پیت کا مارا نہ کوئی ترسے
ہائے سائیکا نے آنکھوں میں لگایا کاجل
مدبھرے نینوں کی رہ رہ کے چھلکتی مدرا
اے ری آلی مدرا
ناچتے پیڑ، ہرے کنج، مہکتے رمنے
کھوئی کھوئی ہوئی خوابوں میں یہ سرشار زمیں
کوئی البیلا کوئی دیکھ رہا ہو سپنے
اے ری آلی سپنے
میری دھرتی تو بنی بیٹھی ہے دلہن دیکھو
بیاہنے آیا ہے ساون کا رنگیلا راجا
رنگ میں ڈوب کے آئے ہیں براتی سارے
درمیاں ان کے پیا متوارے
مونگیے عمامے لپیٹے ہیں سروں سے بادر

پاکستان

شبز ڈولی کولی کاندھے نیا جائے دیکھو
پیچھے پیچھے کوئی دیتا چلا جاتا ہے دُھنی
بولو مومن اللہ اکبر
بولو مومن اللہ اکبر
بولو مومن یا نبی
بولو مومن یا رسول اللہ
جھومتے جھنڈ حسیں کنڈ طلسمی باغات
یہ جزیرے یہ جنم زار کنول پریوں کے
پھول بن ہائے یہ استھان سجل پریوں کے
سانوری، گوری، سگن رُوپ سُناری ساری
سبز کیلوں سے مگر اب تو اُبھرنے لگا چاند
جاگ جاگ اُٹھی ہیں سرگوشیاں ارمانوں کی
کھول کر اپنی برس گانٹھ کوئی برہا گی
مغلئی دور کے کھنڈروں میں کہاں آ بیٹھی
تھام کر ایک ستوں ٹوٹ کے گانے لاگی
"نشیتھے جائیو پھولوبنے، ہے بھومرا
نشیتھے جائیو پھولوبے
جالائے چندیرو باتی
جیگے رو روشارا راتی گو

کوئیبو کتھاشی شی رے شنے ہے بھومرا
جدی نا گھمائے پوڑی
شپنیرو بیتھ دھوری گو
نیرلو چرنے جاایو، ہے بھومرا
نشیتھے جائیو پھولو بنے، ہے بھومرا
تومار گان جینو بھانگے نا
امار گھوم جینو بھانگے نا
پھولیر گھوم جینو بھانگے نا
ڈالیر گھوم جینو بھانگے نا
نشیتھے جائیو پھولو بنے، ہے بھومرا
نشیتھے جائیو پھولو بنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تھم گیا شور مچاتا ہوا بنگپ شاگر
پنکھ پھیلائے ہوئے پریوں کے جی بیٹھ گئے
چاند چپ چاپ کھڑا سنتا رہا، روتا رہا
اور ایسے میں کہیں دور کنارِ دریا
نوجواں مانجھی نے فرقت کا گلہ چھیڑ دیا
ہائے یہ بنسری کی درد میں ڈوبی آواز
گیت کے ساتھ یہ روتی ہوئی جنگل کی ہوا
سانولے سُر میں سمویا ہوا سنتھال کا سوز

پاکستان

سارے بنگال کا سوز

جانے کے روز ہوئے گھر سے وہ نکلا ہوگا
جانے کس باڑی میں رہتی ہے چھیتا اُسکی
وہ پدم لوچنی گج گامنی نٹ کھٹ پیاری
وہ مسکتی ہوئی چولی وہ ملائم ساری
ہائے وہ قامت موزوں وہ سلونا مکھڑا
بانکی چتون وہ کنول نین مریلے مخمور
داستاں داستاں پھیلے ہوئے لانبے گیسو
(سر پہ چڑھ کر ہی تو بولے جادو)
جوت ماتھے پہ جوانی کی جگاتی بینڈی
چپکے چپکے یہ بلاتی بینڈی

نیا باندھو رے کنارِ دریا
نیا باندھو رے کنارِ دریا

اس طرف پدما کی لہریں وہی ٹوٹا ہوا جال
الی سا، تاپلا، روئی، کوئی چنگری، کاتل
بھات کس طرح پکائیگی مری حسن آرا
ناچتی لہروں پہ بہتی ہوئی ڈھیرے ڈھیرے
ڈولتے من کی یہ ساتھی یہ پرانی نوکا

کھو گیا بانسوں کے جنگل میں حسیں چاند کہیں
دور پورب میں سحر کا وہ ستارا چمکا
کانپتی لہروں سے دو پھول سی باہیں نکلیں
اک چکا چوند ہوئی چوڑیاں چمکیں چھنکیں
سطح دریا پہ کوئی سانولا سورج ابھرا
ہاتھ پھیلائے تو پتوار کا پھرتا سایا
ہر طرف اب تو انناس کی خوشبو پھیلی
ناریل نیند سے جاگے کہیں کوکل بولی
آرہی ہے کسی باڑی سے اذاں کی آواز
جانے سوئی بھی ہے شب بھر یا نہیں حسن آرا
بیڑی سلگاؤں ذرا کش تو لگا لوں دو چار
ہو مجسم ہو مجسم ارے بھتیا بھتیا
ناؤ کالا رے کنارے کہ پڑھیں ہی کے نماز

حسن آرا بھی اٹھی ہو گی عبادت کے لئے
تخت پہ بیٹھ گئی ہو گی تلاوت کے لئے
اشک آنکھوں میں تو ہونٹوں پہ وہی ایک دعا
جس کو دہراتے ہوئے بیت گئے دن کتنے
اے خدا خیر سے ماجھی مرا واپس آئے

پاکستان

اب جو تالاب پہ جاتی ہوں تو جی ڈر جائے
اے خدا خیر سے مانجھی آئے
مرا مانجھی آئے

برہما پترا کی ہر کشتا دیتی ہے بیٹے کو دھتا
مانجھی دیر لگا کر آئے بھول گئے تم سب کچھ ہائے
باریسال کا بالم چاول رکابی تاروں کا منڈل
چاٹگاؤں کا بندر بھولا گاتے گھاٹ وہ جلدھر بھولا
بھول گئے ڈھاکے کی ململ پریوں کے لہراتے آنچل
منشی گنج کا ساگر کیلا زرد ہلالوں کا وہ میلا
ٹانگائیل کی ہلکی ساڑی مخمل اور کمخواب پہ بھاری
مالدہ کے یہ آم تو کھا لے مدھ کے پورم پور پیالے
سلہٹ کا یہ کملا لے تو چائے چھوڑ چکا ہے کیا تو
کھا دیناج نگر کا چیڑا بنگلہ پان کا ہے تو بیڑا
اورے کا جم دوڑ کے جانا رنگ پور کا تمبا کو لانا
کومیلا کا لا تو حقہ بھیا کو پلوا تو حقہ
تیری حسنا جم جم پہنے تو کیا لایا؟ واہ، کیا کہنے
یہ شلوار دوپٹہ لایا ڈھاکے کو لاہور بنایا
پبنا کی یہ گینجی دھوتی اس پہ صدقے ہیرے موتی
پہن کے تو پیڑھی پہ آجا تو پورب پچھم کا راجا

پاکستان

تو اب کتنا بدل گیا ہے — ہم سے آگے نکل گیا ہے
اب تو گیت سُنا پنجابی — ہنستی ہیں حُسنا اور بھابھی

"ڈھولا ٹریا وینداایں پئی چنرڈی پھٹی
تیری سوہنڑی صورت میری جندڑی لٹی
سیو تترڑی مٹھی
ڈھولا ٹریا وینداایں.........

ڈھولا ٹریا ویندا ایں پئی ریلاں پھٹی
ڈھولا مانڑ کرے ہیں دی رہیم ٹُٹی
ہیں دی ڈاڈھی پھٹی
ڈھولا ٹریا ویندا..........

ڈھولا ٹریا ویندا ایں پئی رکھدی پھٹی
ڈھولے مُڑکے جول تکیا ہیں ہس کے اُٹھی
سیو دلڑی کُٹھی
ڈھولا ٹریا ویندا..........

ڈھولا زمیاں دا راجہ ہیں چن دی گھٹی

پاکستان

ڈھولا آپے آیا میری سوہنہ دی تھڑٹی
میں تاں چوری گئی
ڈھولا ٹریا ویندا.........

ڈھولا ٹریا ویندا بیٹھی منگدی دعائیں
شالا خیر ہووی ڈھولا وطناں تے آئیں
شالا ملیں چھٹی
ڈھولا ٹریا ویندا.........

صبح درِ صبح تجلائے رخ سیم تناں سرو قداں شمس وشاں روز رخاں پھیل چلا ہے اب تو
ایک رویشِ جگمگاتا فۂ عرشؔ فروزندۂ گیتی کا یہ اعجازِ ہنر، ذوقِ نظر، خونِ دلؔ دیدۂ تر بھی دیکھو
سیل در سیل اُفق تا بہ اُفق ناچتی کرنیں تو نظر تاب ہنڈولوں میں لٹکائے صبا جھولتی ہے
زندگی قامتِ دلدارمہ و مہر سے رخسار لبِ کاکل خمدار نوید رسن و دار کہاں کھولتی ہے
فوارۂ دلِ ہستی ہے کہ فوارۂ انوار بنا روشنیاں چار سُو برساتا ہے لہراتا ہے
شبنمیں برج گہر بار سے یوں جھانکتی ہیں جیسے کوئی لاڈلا البیلا صنم سوئے حرم دیکھ کے شرماتا ہے
سایۂ رستان سمن پوش اُٹھے گرم ولاں نیند سے رہ رہ کے بڑے لاڈ سے بیدار ہوئے
آنکھیں مل مل کے للت جاگی وہ انگڑائیاں لیتے کے ہنسی دونوں جہاں مطلع انوار ہوئے
بھیرویں باغ میں گانے لگی جیسے کوئی البیلی جواں سال جنوں خیز ندی پھولوں کی آغوش میں ہنس ہنس کے بہے
گن کلی، نازیلی، چہرے پہ سپنوں کے مچلتے ہوئے آنچل کو ہٹا انکھ جھکا کہنے لگی سیاں کہاں تک اب رہے

پاکستان

شاخ در شاخ ہوا کھیلتی ہے، اس کو کبھی اس کو ذرا چھیڑتی ہے کتنے بھنور جال کھڑکی بنتی ہے

شیشۂ ساعتِ ہستی میں تڑپتے ہوئے ذروں کے شراروں کے مری رُخ کئی لعل و گہر چنتی ہے

جام در جام مئے حافظ و خیام کوئی طلعتِ گلفام کوئی بادۂ عمرِ ابدی جرعۂ صہبائے دوام

مژدہ اے ہمنفساں ہم سخناں دیدہ وراں آج نہیں نکہتِ گل جلوۂ مہتاب و مے ناب حرام

ماہپاروں کے ستاروں کے بہاروں کے سمن زاروں کے آتے ہوئے رہ رہ کے مرے نام سلام

کوئی افسردہ نہ پژمردہ نہ غم دیدہ نہ لب بستہ نہ مایوس نہ مغموم نہ مجبور نہ بے نیل مرام

وقت اک ذرۂ ناچیز ہے پھیلا ہوا صحرا بھی ہے، قطرہ بھی سمندر بھی مگر میں تو کھڑا سوچتا ہوں

پھیل جاؤں چمنِ گل نفسِ مل ہوسِ کل کی طرح یا کسی محبوب کی آغوش میں چپ چپ پڑا سویا رہوں

آج ہاں آج غمِ کون و مکاں کارگہِ جانِ جہاں مرحلۂ دشتِ تپاں وسوسۂ سود و زیاں کچھ بھی نہیں

ماتمِ عمرِ رواں، شکوۂ صد جورِ بتاں، نالہ و فریاد و فغاں، برہمیِ حسنِ جواں کچھ بھی نہیں

کوئی شرما کے مری سمت جو بڑھتا ہے تو گردشِ گردواں بھی ٹھٹک جاتا ہے کچھ سوچ کے رُک جاتا ہے

وقت وہ سایہ ہے جو سوختہ جانوں کی طرف چاہنے والوں کی طرح لطفِ قدمبوسی میں جھک جاتا ہے

بام تا بام اُبھرتے ہوئے اٹھلا کے نکلتے ہوئے خورشید کسی دورِ طرب کار کی تمہید بنے

کتنی مشتاق و طلبگار و پژوہندہ نگاہیں ہوسِ جلوۂ صد آرزوئے دید کی تجدید کیے

گوش در گوش یہ آویزۂ ارماں کی للک یہ درِ شہوارِ تمنا کی جھلک نیل کی زلیخاؤں کا یہ حسن و جمال

کانپتی پلکوں کے پیغام یہ منشورِ نگاہوں کی صدا ابروؤں کا حسنِ بیاں لطفِ زباں نغمۂ تقریبِ وصال

مرمریں باہوں کے یہ جال یہ انگڑائیوں کے دام یہ تلواروں کی بنتی ہوئی محرابِ تپاں کہکشاں

یہ پُرم روپ، سسی و نتیاں، سنسکار، پدم دھام، پری چہرہ حسینائیں، کوئی مست و جواں

شاہد و شعر و شراب و شفقِ شام و شناسائے روایات کئی شوخ زباں لعل وہاں

پاکستان

دیکھ اے یوسفِ کنعانِ وطن دیکھ یہ تاثیرِ دعا آج زلیخائے وفا چودہ برس کی ہے جواں
گل و گلزار کے اورنگِ ہمہ رنگ پہ یہ نغمہ و آہنگ مرے جھنگ و تلاگنگ کی بہتی ہوئی مے
طبلہ و چنگ و مزامیر و دف و بربط و الغوزہ و طاؤس و تجر، ناد یہ طنبورہ و نے
اسپ و شمشیر و کمند و سپر و تیغ و سناں و علم و تیر و کمان و قلم و گنج و کتاب
نوجواں پیر یہ کنعاں نعرہ زناں محوِ تگ و تاز جہاں عرصۂ چوگاں تو مہ و مہر ہیں دو گوئے خراب
نیلمیں رمنے ہرے کھیت مہکتے ہوئے بن مست فضائیں یہ جنوں خیز ہوائیں یہ گگن روپ کی دھوپ
تال تالاب کنول کنڈ بھرے جھنڈ گھٹا دھرتی کا پربھاؤ یہ پریوں کے سبھاؤ یہ سروپ
شمال میں شالی سے لپٹے ہوئے فردوس یہ قریے یہ جنوں زار یہ پٹ سن کی جٹائیں زرتار
ناریاں سانوریاں کامنیاں راگنیاں جن کے خمِ زلف پہ تقدیر کے پیچاک نثار
کوئی سنتھال کی دوشیزہ خودسر ہے، سلہٹ کے افق پر ہے نکلتا ہوا سورج کوئی
کتنی آکاش لکھی دیویاں شبھ نام چرن کملیاں گنگا منیاں رانیاں سمرنایاں کھوئی کھوئی
ہائے یہ تال یہ توڑے یہ تڑپ کون نرت کار یہ گت ناچتی ہے
ناتواں بیں سے گلہ کیا جو کہے کون یہ نادان، خطا کار گُت ناچتی ہے

ہاں یہ بنگال کا ناچ
میری دھرتی کے مہ و سال کا ناچ
ار دھنگ روپ
جیسے چھاؤں دھوپ
نرکھت انوپ
بجے چک تو بھوپ

پاکستان

کر ڈھمک دھمک
گتی ڈامبرو باجے
ٹاڈھاٹاڈھاٹاڈھا

بس ہاتھ رنگ
چبھی انگ انگ
سوہے شیش گنگ
لئے گوری سنگ
پئے بھنگ اڑنگ
سو کرت کا جے
ناڈھاناڈھاٹاڈھا

اوڑھے لال شال
گلے راجے مال
چلے ہنس چال
کرے دیکھ بھال
ات چندر تال
یں سدا براجے
ٹاڈھاٹاڈھاٹاڈھا

اردھنگ روپ
جیسے چھاؤں دھوپ . . . .

گیت سنگیت کی ہنس ہنس کے اُبھرتی لہریں
رقص کرتی ہوئی گھنگھیر کنارے پریاں
ڈولتے جسم پہ سپنوں کے تھرکتے بجرے
سانوری باہنوں کی ہر تال پہ گاتے گجرے
پھول جوڑوں میں سجائے ہوئے سجرے سجرے
ناچتے نینوں میں کجراج ہیں منڈل باندھے
ناگ جس طرح کنول گنڈ پہ کنڈل کاڑھے
پتلے ہونٹوں پہ ہنسی جیسے کسی وادی میں
حوریں سرگوشیاں کرتی ہوں خدا کے بارے
یہ کمر مار کے چلتی ہوئی دوشیزائیں
یہ لٹک چال گگن کھیل کھڑی لہرائیں
اور گماں ہو کہ سمے ناچ رہا ہے — مانو
گہری لالی سے نہ ہن لعل کا چھلا گویا
بات جس طرح خدا سوچ کے خوش ہوتا ہو
زلف جس طرح کسی رُوح کی بھیانک راتیں
تہ بہ تہ، حلقہ بہ حلقہ یم پیچاں، جولاں
جس طرح سایوں میں گھلتے ہوئے لاکھوں سائے
جس طرح موت کی بڑھتی ہوئی لہریں ہائے
کشتیاں، جال مچھیروں کے یہ مانجھی بھائی

بالدا باغ سے گاتی ہوئی خوشبو آئی
لڑکیاں بالے دکاں دار کوئی متوالے
ہائے یہ شہر یہ اس شہر کے رہنے والے

O

ڈھکنی سے اک شہر ڈھکا اور ڈھاکہ جس کا نام
سیس نوائے سورج راجہ روج کرے پرنام
محل دو محلے جگمگ جگمگ امرپتی کا مان
باڑی، باغ، بغیچے پگ پگ پریوں کے استھان
یہ شوبھا یہ جوبن یہ رچنا یہ روپ سروپ
چپ کی چھاؤں شیتل ٹھنڈی ہنسی کنواری دھوپ
چکر ہکر لہرائیں ناچیں ساگر ناچ سدا
دھن تا گے دھن دھن نا تو کتا دھے تک تا
ہنس ہنس کرے پھول جو ماریں ہنس بنیں جیوں
طوطا، مینا، بکری، بلی، گھوڑا، ہرن، سوان
رات کو ران میں سوئی چبھوئیں اور سجائیں سیج
گنگا جل کے چھینٹے ماریں ملے انوکھا تیج
جادو چھڑیاں، بس کی پڑیاں، تریا ترس کی بات
جھیل کنارے، چندا تارے، پیا ملن کی رات
دان ہیں دیں پردیسیوں کو جیون کی سندرتا

پھر ڈھونڈھیں تو ہاتھ نہ آئیں کون لگائے چھوت
ہر صورت پدما کی مورت کوئی میل نہ کھوٹ
ہنسا الک، للک لہکارے نجریں ہوں لہلوٹ
جنم سوارتھ جنک ستا سیتاؤں کے پربھاگ
اُوپر اُوپر پانی پانی اندر اندر آگ
یہ پروا کی میٹھی تانیں بادل بہتے خواب
کون ہنسی یہ سندر ناری کھلے ہزار گلاب
گاتی گلیاں، ہنستے ہاٹ، مہکتے سندر باٹ
یہ دریا کا پاٹ، چمکتا چاند چھلکتے گھاٹ
ڈھولے جھومیں ڈامرو باجیں کلیمہ حمد اجان
گنگا جل میں یامن پتریاں آن کریں اشنان
جس البیلی نار کو دیکھو وہ لالوں کی لال
تن پھولوں کی گٹھڑی، بھیگے بال، سلونے گال
کون کوئی ہے جو نہیں لیوے ان کی خاطر جوگ
لیکن میرا سین سے میرا ای والا سنجوگ
یہ ڈھاکہ ہے ڈھاکہ اس کے وار دوار ہزار
اس کی باون گلیاں باون اور تریپن بازار

مشرقِ پاک و پرانوار کا دل ہے ڈھاکہ
یہ جہانگیر نگر، مسکنِ ارباب وفا

پاکستان

جس کے آغازِ تنفّس کا اثر صبحِ جمال
جس کے بالوں کی سیاہی تعریفِ شامِ وصال
آپ اسلام پورہ دیکھئے گا
چھوٹا کٹڑہ بھی زیارت گہہ اہلِ دل ہے
وہ حکیمِ ہنر آموز حبیب الرحمان
اسی کٹڑے میں ہوئے تھے پیدا
جی یہ ہنگامہ ہے بنگال کی جان
رنتگاں کے یہ مقدس آثار
یہ در و بام یہ ناظر بازار
یہ رہی دیکھئے سقہ ٹولی
ہائے کیا لوگ ہیں سنئے تو یہ بولی ٹھولی
ڈیوڑھی ہے یہ امانت خاں کی
لد گئے لوگ مگر نام و نشاں چھوڑ گئے
آپ کیا دیکھئے گا آج پرانے بازار
نام ہی نام ہیں اجڑ کر کا
چاند خاں کا یہ بنایا ہوا پل بھی دیکھیں
پل کے نیچے سے مگر ہم کو گذرنا ہوگا
عرش سے فرش پہ یاروں کو اُترنا ہوگا
لیجئے دیکھئے حضرات حسینی دالان

پاکستان

آصف الدولہ مرحوم کی تعمیر کہن
ہو تو ہو ورنہ کہاں ایسی عمارت کا جواب
یہ جھروکے یہ دریچے یہ ستوں یہ محراب
گرد قلعہ بھی تو پھریئے گا جناب
چوڑی ہنٹ بھی ابھی چلتے ہیں،
جی زمین کم بھی لگائے گئے باہر باغات
آپ فرمائیں تو شوقین ارسطون جیسی
شہر کی ندی ہے نہ ولائی کھال
ہاں کہ اوڑھے ہوئے ہے آب رواں کی پوشاک
پچھمی گھاٹ پہ جو مسجد ہے
بنت بی بی نے بنا اس کی کبھی رکھی تھی
پانچ سو تیس برس گزرے مگر ہے آباد
مشہد پاک یہ آرام گہہ شاہ جلال
جن کی تبلیغ سے بنگال میں پھیلا اسلام
بت شکن، خسرو دیں حضرت نعمت اللہ
آج آرام میں ہیں خلد کا اوڑھے حُلّہ
دیکھئے چشتی بہشتی کا پر انوار مزار
غم نہیں آپ کو بنگلہ جو نہیں آتی ہے
آنکھ جب روتی ہے تسکین سی آجاتی ہے

پاکستان

اور آنسو تو زمانے کی زباں ہیں گویا
آنسوؤں کی نہ کوئی قوم نہ کوئی رنگت
یہ زباں وہ ہے کہ جس میں نہیں کوئی لکنت
فاتحہ آپ اسی بولی میں پڑھیے سرکار
پھر وہی ڈھاکے کی باون گلی ترپن بازار
شبنم و آبِ رواں کی یہ صدائیں ہر سو
طرح اندام کی تنزیب کی سوندھی خوشبو
یہ عرب اور بخارا کے جوان سادات
خانوادے یہ عراق اور عجم کے خوشخو
شیخ صدیقی و فاروقی و عثمانی بھی
فرِ شاہانہ دکھاتے ہوئے افغانی بھی
یہ عمارات، سرائیں یہ مسافر خانے
یہ محلے یہ مکاں، یادوں کے تانے بانے
بیڑی سلگا لوں تو پھر اور بھی باتیں ہوں گی
میں اگر تھک بھی گیا چاندنی راتیں ہوں گی

چھا گئی اس ملک پر یہ رات کیا
نور کا انجام ہے ظلمات کیا؛
اہلِ دیں نالہ کناں شام و سحر
اہلِ دل کی ہو گزر اوقات کیا
اب کہاں آبِ رواں کی راگنی
بھول بیٹھیں بلبلیں نغمات کیا

پاکستان

اب کہاں تن زیب کی تنزیبیاں — آج شبنم کی صفائے ذات کیا
ایک جامے کو ترستا ہے بدن — کٹ گئے کاریگروں کے ہات کیا؟
مٹ گئی دلی، اودھ برباد ہے — لٹ گئے بازار کیا محلات کیا
ظلمتوں میں جل بجھا اپنا سراج — ہائے اپنوں سے ملی شہ مات کیا
ہفت دریا بن گئے دریائے خوں — آسمانوں سے ہوئی برسات کیا
گلشن اسلامیاں پامال ہے — باغ ہی باقی نہیں تو بات کیا
ہے بھنور میں اب سفینہ قوم کا — پوچھتے ہو صورت حالات کیا
ہر طرف کشتوں کے پشتے الاماں — شہر کیا دیکھیں پھروں قصبات کیا
لامکاں تک جل گیا اس آگ میں — چھیڑتے ہو ذکرِ موجودات کیا
اس طرف سید اٹھا حالیؔ اٹھا — مہر سلیم اللہ خاں کی بات کیا

کفر و دیں کے درمیاں اب ٹھن گئی
بنتے بنتے لیگ ملت بن گئی

اقبال بہ ما رمزِ بقا گفت و چساں گفت
دیگر صمدے باز نہ یک حرف چناں گفت
رازے کہ نہ جبریلِ امیں را خبرے بود
آں رازِ نہاں مردِ جگر دار عیاں گفت
ایں مادۂ سنگ نہ شایانِ ستایست
ہر تختۂ داریست مگر جائے اذاں گفت

پاکستان

ہر شاخ کہ دارے نشو و نمائے چمن است
ہر نخل فسردہ را بتاراجِ خزاں گفت

آں گل کہ طربناک نشد لقمۂ خاک است
ہر خارِ خلیدہ را گلِ باغِ جناں گفت

گلزار کہ از نالۂ عشاق تہی ایست
ماتم کدۂ کم نظراں بلہوساں گفت

عمرے کہ درو درد و غم و داغ فراواں
کشکولِ گدایاں زمکاں تا بہ مکاں گفت

ایں روشنیٔ بینشِ افرنگ فسونست
ایں روزِ درخشاں را شب وہم و گماں گفت

از جیب بیارید بروں آں یدِ بیضا
چیزے کہ خرد آتذکیۂ ساحراں گفت

از ہلہلۂ وہ آیۂ ظلمت نہ بترسید
مومن را مہِ تاباں و دشمن را کتاں گفت

ہر بوسۂ تازہ ست پئے نائے قرابہ
ہر ضربِ کلیمیست پئے سنگِ گراں گفت

آموخت بما شیوۂ ایمان و یقیں
آں پیرِ خردمند چوں اجوانِ تپاں گفت

پاکستان

سخنے ز کلیمے، ز خلیلے ز حسینے
قولے ز پیمبر چوں شنیده او بجاں گفت
صدیقی و سلمانی و فاروقی و صبرے
ایں چار عناصر شرفِ ہر دو جہاں گفت
در معرکه ظن و یقیں جذبهٔ بے باک
در ہر مژه برہم زدنِ کون و مکاں گفت
جبرئیل زبوں صیدے و یزداں بکمندے
او نکتهٔ پرکار خدنگے به کماں گفت
خوش گفت و عجب گفت ز آں دوست حدیثے
ہر چند که در طرز و بیانِ دگراں گفت
ہر ناله و فریاد درا معنی دگر داد
آوازِ سلاسل را صدائے رگِ جاں گفت
ہر زخم نشانِ شرفِ اہلِ تمنا
ہر لاله و گل را دمِ خونیں کفناں گفت
پیمودن با دستِ دعائے بے عمل ہاں
آسے که ندارد اثرے کار زیاں گفت
امروز نیا تیست رفیقانِ گرامی
او تارکِ دیں فرقهٔ فردا طلباں گفت

در کنجِ خراباتِ جہاں بُوئے نباشید
مومن را جہا نیست گراں تا بہ گراں گفت

بر مومن جانباز غمِ مرگ حرا مست
او لحظۂ خندیدنِ گلہائے لباں گفت

چوں جانبِ صحرا نگہہ گرم و تپاں کرد
خندید و ہماں خیمۂ لیلیٰ منشاں گفت

لازم کہ پئے خاطرِ اسلامیاں طلبیم
یک مملکت خویش کہ احساں نتواں گفت

وقتیست کہ ما طرح جدا گانہ نہادیم
ایں حرفِ دلاویز با آہنگِ فغاں گفت

با ولولۂ شوق مئے ناب بنوشیم
چہ تشنہ لباں را بہ سر کوئے مغاں گفت

من رندِ جہاں سوزم و ہم باعثِ ایجاد
من جام جہانم بکفِ بے خبراں گفت

آمادہ جناح ہمہ آموز را چوں کرد
پیرے کہ با پیرے سبب بختِ جواں گفت

مرداں چوں پے بحث نشستند شدہ طے
ایں راہ نجاتست لیاقت علی خاںؒ گفت

نواب حمید اللہ خاںؒ جہدِ عجب کرد

پاکستان

چہ مرد جگر دار و جری خورد و کلاں گفت
امروز چو خورشید جدید ست درخشاں
رازے کہ قلندر بہ شب خلوتیاں گفت
چوں قافلۂ خور بدلِ شب زندم، خفتہ
حیراں شدہ ایں معجزۂ خویش نشاں گفت
مسعودؔ و گرامیؔ و ہمایوںؔ ہمہ خندید
چہ غالبؔ آشفتہ قتادہ بمیاں گفت
سر سیدؔ و سر شیخؔ بہ فردوس بریں شاد
باید کہ نہ ہر رازِ شبِ جستیاں گفت
ایں کشور ما معجزۂ آں ہمہ یاداں
امروز چہ گوئی کہ فلاں کرد و فلاں گفت
داستاں ایک نئی شان سے کہتے کہتے
اک ترانے کی حسیں لہروں پہ بہتے بہتے

بڑھو بڑھو رے عوام بڑی بڑی ہے رے زمانہ آؤ آؤ مسلمان
لے کے ہاتھوں میں علم، رکھو رن میں قدم تمہیں قوم کی ہو شان
بڑھو بڑھو رے عوام بڑی بڑی ہے رے زمانہ ....

بڑھی موج موج موج بڑی فوج فوج فوج اپنا اونچا ہے نشان

پاکستان

بادھو بادھو رے عمامہ باجی باجی رے دمامہ دعوت ایشے چھپے جواں
بادھو بادھو رے عمامہ باجی باجی رے دمامہ ....

تمہیں دین کے ہوشیر دیکھو دیکھو ہیر پھیر جاگو جاگو پہلواں
بادھو بادھو رے عمامہ باجی باجی رے دمامہ ....

اپنا حامی ہے خدا اپنا حامی ہے نبیؐ علی شاہِ مرداں
بادھو بادھو رے عمامہ باجی باجی رے دمامہ ....

یہ جناحؒ کی صدا جاگی جاگی رے فضا نئی آن بان شان
زندہ باد پاکستان زندہ باد پاکستان زندہ باد پاکستان
بادھو بادھو رے عمامہ باجی باجی رے دمامہ ....

اس ترانے کی حسیں لہروں پہ بہتے بہتے
اک نئے دیس میں آنکلا ہوں
جانے اب جاگ رہا ہوں یا کوئی خواب ہے یہ
بولے جبریلِ امیں دیکھ تو پنجاب ہے یہ

دیکھتا ہوں بارگاہ سیدِ عالیجناب پیشوائے لشکرِ اسلام، ابن بوترابؓ
قبلۂ اسلامیاں زنجانیاں آیانیاں خواجہ اہل نظر، ہمرتبہ پیشینیاں

صاحبِ ضربِ کلیمی، مردِ میدانِ عمل
حاکمِ قدر و قضا، میرِ بقا، میرِ اجل

واقفِ رازِ نوائے سرمدی بحرِ علوم
رہنمائے سالکانِ مصر و شام و ہند و روم

گنج بخشِ فیض عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

اس حرم کا ذرہ ذرہ آفتاب و ماہتاب
گرد بھی اس بارگاہِ فیض کی ابر و سحاب

نام ان کا حرزِ جاں خطِ امانِ ہر زباں
کارسازِ بختِ ما، ایں بندۂ ایزد نشاں

بام و در سے جلوہ و آثارِ قرآں کا ظہور
ہر طرف پھیلا ہوا مہرِ ہمیشہ کا یہ نور

یہ ہجومِ زائراں یہ سیلِ مشتاقانِ دید
لحظہ لحظہ مومن و ترسا کو ملتی ہے نوید

کون ہے دنیا میں ان سا کون جو ایسا کرے
قطرے کو چشمہ تو ہر چشمے کو وہ دریا کرے

○

غزنہ و غور و سمنگان کے سبک سیر سوار
موج در موج امیرانِ سمرقند و مزار
سیل در سیل یزک دار سنانیں تھامے
ہنہناتے ہوئے گھوڑوں کی عنانیں تھامے
اہلِ دیں پڑھتے ہیں اس دیس میں تو پہلی نماز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
سعد سلمان کی سیمینہ بدن سلمائیں
آنکھ اُٹھائیں تو فرشتوں کو پسینے آئیں
ہمنشیں غور و غلاماں کی حکایات نہ پوچھ
ہائے کیا لوگ تھے، کیا رندِ خرابات نہ پوچھ

ایک شاعر کے لئے آج بھی وہ باقی ہیں
پھول ساغر ہیں مرے، سرو سہی ساقی ہیں
کون رہوار خجستہ پہ اُڑا آتا ہے
سر پہ سایہ کئے دیکھو تو ہما آتا ہے
داہنے ہاتھ پہ شاہیں تو کمر میں تلوار
یہ تو بابر ہے یہ تیمور کے گھر کا ہے وقار
کون ہے کون یہ درویش کنارِ دریا
سامنے جس کے بجا لایا ہے بابر مجرا
سامنے جس کے طلسمات کا چہرہ فق ہے
دیوتاؤں کا جگر چاک ہے سینہ شق ہے

کراں تا کراں آسماں اک ردائے مشجر کی مانند پھیلا ہوا ہے
صنم خانۂ آذرِ شب کی جلوہ گری کا یہ منظر تو سب سے جدا ہے
ردائے منقش کو دیکھو تو اس پر ہزاروں ہی کاڑھی ہوئی صورتیں ہیں
یہی دیوتاؤں کا منڈلا ہے سرلوک کے رہنے والوں کی یہ مورتیں ہیں

برہما بڑے مطمئن اور بلاسی، شواجی کی آنکھوں میں گہری اُداسی
جہاتم مہا بال کا ماجی بیٹھے ہیں یہ سورج یہ دیونندن نواسی
سرو شکمتانوں کی سندر، سناری، ستوگن، سکھی ناریوں کی سبھا ہے
یہ امبر کی چادر جو دھرماتماؤں، جواں دیوتاؤں کی لمبی کتھا ہے

پاکستان

یہ اندر مہاراج ہیں سوچ کی سلوٹیں ہیں جبینِ کرم سے نمایاں
سُمیرو کے استھان پر ناچتی کیشنی ہے نہ وہ اپسرائیں ہیں رقصاں
کوئی بھی ہتھیلی لرزتی نہیں ہے، چھلکتے نہیں امرتا کے پیالے
نہ وہ بانوری سانوری بدلیاں ہیں نہ شیشوں میں ڈھلتی نووں کے اجالے

کہیں استخوانِ شکستہ کے انبار پر آج بھیروں ہیں دھونی رمائے
کہیں ڈامرو لے کے شنکر کھڑے ہیں مگر ڈگڈگی سے نہ آواز آئے
چلے تھے قضا کی سیہ سال دیوی کو نٹ راج اپنے ہنر سے رجھانے
وہ کالی کے پاؤں میں لاشہ پڑا ہے کسے تاب آئے جو ارتھی اٹھانے

یہ وہ ہے جو گردوں کا رتھ چلاتا تب پاتال میں ہے دھرتی کی چکی
کوئی مرکھنا بیل ہے کوئی بیل ویراں ہے تو کوئی غضب کا ہے خشکی
کوئی چار رخا تو کوئی پنج بازو کوئی ہفت پنجہ کوئی آٹھ شانہ
کسی کی جٹاؤں سے جمنا ہے جاری لپیٹے ہے کوئی لٹوں میں زمانہ

کہیں بادلوں کے بدن میں اڑا جا رہا ہے نہ دیکھو تو کوئی ادھی
یہ وہ ہے کہ جس کے ستم کا نشانہ گنہگار شدوہ بچارے بہروہی
اگن دیو کھویا ہوا ہے انوتاپ میں تو اگر سوچ میں چندرماں ہے
ولے یہ سُر لوک یہ دیوتاؤں کا شہر مطلے یہ کیسا سماں ہے

پاکستان

بساطِ مصورہ پہ ظرفوں کی صورت میں الفاظ و اشکال بھی ہیں کشیدہ

یہ الفاظ و اشکال وہ سمائے عالی ہمہ برگزیدہ ہمہ نور دیدہ

کہیں دائرہ ہے کہیں اک مربع کہیں مستطیل و مثلث نمایاں

مگر یہ زبان عرب ہے، چلو خیر، دیکھو تو یہ کون آیا ہے انساں

یہ کون پیر مرد ہے؟

جبین عرق عرق — رُوئے پاک گرد گرد ہے

یہ کون پیر مرد ہے

کہاں سے آگیا ادھر، ادھر کہاں سے آگیا

کہاں سے یہ نکل پڑا، تڑپ تڑپ اُٹھی فضا

اُٹھائی اس طرح نظر۔

سکوت بولنے لگا

مربع ڈولنے لگا

تھتھک تھتھک تھتا تھتا،

تھتھک تھتھک تھتا تھتا

مثلثیں مچل گئیں، حدیں پگھل پگھل گئیں

تڑپ رہا ہے دائرہ، یہ رقص میں حسیں خلا

تھتھک تھتھک تھتا تھتا

تھتک تھتک تھتا تھتا

وہ مستطیل بڑھ کے دو مثلثوں پہ چھا گئی
نئے نرالے زاویے جہاں تہاں بنا گئی
تھتھک تھتھک تتھا تتھا
تتھک تھتھک تتھا تتھا
مثلثوں کی یہ چلت پھرت نرت بھی دیکھیے
مربع جھوم کر بڑھا، اک اور گت بھی دیکھیے
مربع لڑکھڑا گیا، ارے وہ منہ کے بل گرا
تھتھک تھتھک تتھا تتھا
تھتھک تھتھک تتھا تتھا
بھڑک بھڑک اٹھی ہے خامشی کی برت واہ واہ
چمک اٹھا رہا کا ایک ایک حرف واہ واہ
مثلثیں سمٹ گئیں، وہ دائرہ مہک گیا
وہ مستطیل مسکرا پڑی کہ دل دھڑک گیا
مرے خدا، مرے خدا
یہ پیر مرد منہ میں تیغ آتشیں کہ نوک جس کی دل میں ہے
وہ تیغ کھینچنے لگا، مرے خدا، مرے خدا!
وہ دیوتاؤں، دیویوں کی مسندوں پہ جا چڑھا
وہ تیغ جس کی نوک اس کے دل میں تھی
وہ ایک ایک دیوتا کے دل میں اب اتر گئی

عجیب کام کر گئی
زبوں عقیدتوں کی گرد چھٹ گئی، بکھر گئی
ردائے صد ہزار نقش جل اُٹھی

نہ مُورتیں نہ صورتیں
مگر یہ چند سُورتیں
جو پیرہن میں ڈھل گئیں
یہ سُورتوں کا پیرہن اُٹھا کے زیبِ تن کیا
کسی نے بت شکن کہا
عدوئے اہرمن کہا
کسی نے پاک تن کہا
ہمیں بے وطن کہا
مگر وہ پیر مرد سب کی سُن کے مُسکرا پڑا
وہ اس کی مسکراہٹیں گلوں کی گنگناہٹیں
سیاہیوں کے سیل میں نئی سحر کی کروٹیں
مگر سنا کہ ایک رات بادلوں کے تخت پر
اُڑا وہ نیلگوں خلا کی وسعتوں میں کھو گیا
وہ آسماں کے ساتھ ایک ہو گیا
ہمیں خبر نہیں جہاں تما تھے یا رسول تھے
بدن کی بات کیا کریں وہاں تو چند پھول تھے

پاکستان

کسی نے کچھ جلا دیے کسی نے دفن کر دیے
مگر جو ہم سے پوچھیے نظر کا ہیر پھیر ہے
یہ خاکِ نورِ کبریا، یہی گلوں کا ڈھیر ہے

"گرنتھ صاحب"

کتاب ہرگز نہیں،
کتابوں کے نام ایسے کبھی سُنے ہیں
خدارا سوچو
کتاب اور صاحبی کا آپس میں کیا تعلق؟
وگرنہ اس شخصیت کو دیکھو
جناب کی ماہیت کو دیکھو
خدائے انساں یہ پاک انساں
عظیم، بیباک، برگزیدہ
جو لفظ و معنی کا جسم و جاں ہے
زمین کی بولتی زباں ہے

آلِ تیمور کے سورج کی تجلّی پھیلی
ہر طرف شور اُٹھا اکبر اعظم آئے
جے مہاراج کی آتی ہوئی گھندار صدا
یہ سواری کہ سماتا بہ سمک تھرائے

پاکستان

حرمِ نور جہاں، خلدِ جہانگیر یہاں
آؤ اب شاہجہاں سے بھی ملاقات کرو
ہائے کیا طرفہ زباں آج عطا ہوتی ہے
ترکماں اپنی کہو، میری سنو، بات کرو

یہ سراؤں میں حسیناؤں کی تشریفِ جمال
یہ کنیزیں یہ محافے، یہ قبائیں رنگیں
چاند کی چوری کہیں، سیفِ سلیماںؑ کی تلاش
رانیاں ڈھونڈتی ہیں راوی کے رومان کہیں

تیری بزم میں آنے سے اے جاناں آنیوالوں کے بختِ شتاب چمکے
وہ ستارے کہ رفتہ سپہر کے تھے مثلِ آفتاب و ماہتاب چمکے
بڑی منزلیں مار کے آن پہنچے جامہ چاک فقیر فرہاد پیشہ
بن کے حاکمِ عرش جناب ابھرے بنکے افسرِ شمس رکاب چمکے

ترے دشتِ امید کی بات ہی کیا شہر طور قرباں بحر نور قرباں
کہیں ڈھول ڈھمکے کوئی باہنہ چھنکے کہیں جام کھنکے مئے ناب چمکے
رنگ رُخ یہ طرازِ شباب و ادائے خرام یہ جلوے کراں تاکراں
شالامار کی شام جو کاکلیں ہیں راوی مانگ جیسے سیماب چمکے

پاکستان

کہیں چھاؤں ہیں شیشموں کی پریاں کھڑی زلف کے پیچ سنوارتی ہیں
مرے دیس کی رانیاں دیکھتی ہیں مثلِ آئینہ موجِ چناب چمکے
کہیں کانچ کی چوڑیاں ٹوٹتی ہیں کہیں گوریاں ہنس ہنس روٹھتی ہیں
کہیں سیج کی سلوٹیں سوچتی ہیں کبھی قسمتِ خانہ خراب چمکے
کہیں کوئی حسیں ہے قیام فرما جلوے جسم کے لہرئے یہ کاکلوں کے
کبھی نور کا دریا اُمڈنے لگے کبھی برق جو زیرِ سحاب چمکے
زیرِ زلف ضیائیں یہ عارضوں کی جیسے دیپ جلیں جیسے پھول کھلیں
لبِ نازِ بہار کا ساز چھڑے مہکے مے کدہ جامِ شراب چمکے
تیرے نخل و نوا تیری آب و ہوا تیرے کھیت ہرے تیری گود بھرے
تیری ریگِ تپاں کا جو آئے بیاں رُوئے خلق پہ مخملِ خواب چمکے
ترے حسن کی سب کے ہے دل میں للک تیرے نور سے روشن ہے چشمِ فلک
تیری جوت سے شعروں کی شمعیں جلیں تیرے نام سے لوحِ کتاب چمکے

یہ اٹک پار کی شہنازِ جواں ، بادِ شمال
وادیٔ خیبر و لولاب کی خوشبوئے جمال
مجھ سے کہتی ہے خطک اور مغل کیا کم ہیں
کوئی کچھ بھی ہو مگر دیکھ تو ہم بھی ہم ہیں
حرّیت کیش دوفا پرور و اخلاص شعار
یہ جگر دار کہ تھراتے ہیں جن سے کہسار
تکیہ و بالش و بستر ہیں چٹانیں ان کو

شل انگشتِ نگاریں ہیں سنا نہیں ان کو
ان کی آواز پہ سایہ نہیں نقمہ یروں کو
ان کا لہجہ ہے کہ پروردہ ہے شمشیروں کا
اپنی مستی سے جو آنکھیں ہیں خبردار یہاں
لغزشِ پا نہ سخن سازیٔ رفتار یہاں
رحم دل پر نہ کریں جان کی پروا نہ کریں
خون جگر ہو بھی تو اظہارِ تمنا نہ کریں
جان میدانِ شجاعت میں ہیں کھونے والے
یہ نہیں سایۂ دیوار میں رونے والے
فکر و کردار میں اک ربط یہاں ملتا ہے
شیر کا حوصلہ و ضبط یہاں ملتا ہے
قصہ خوانی بھی یہاں مستیٔ گفتار یہاں
آتش قافلہ و گرمیٔ بازار یہاں
کوئی جانباز مجاہد ہے کوئی غازی ہے
شکنِ زلف انہیں مژدۂ جانبازی ہے
قہوہ خانوں کی حسیں شام کہیں چنگ رباب
سبز چائے کے یہ فنجان تو یہ نان و کباب
ہو گزاری کا اگر شوق تو پھر کیا کہنے
چائے ہو یا کہ چلم خان کے دونوں گہنے
گورہ دالان یہ حجرے یہ عجب نشہ ادا

پاکستان

میل ماں آئیں تو خوش پھرتا ہے گاؤں سارا
خنجراب کی چشموں پہ ہنستے ہوئے ورکوٹی بھی
یہ چراگاہیں یہ چھینے یہ کوئی بوڑھی پچی
خطۂ حضرت رحمانؔ دیارِ خوش حال"
دیکھ اے چشم وفا دیکھ مرے غرب و شمال
یہ مسلمان ہیں شیدائی افرنگ نہیں
زندگی سادہ سہی پھر بھی تو بیرنگ نہیں
یہ خطۂ پاک
ایشیا میں قدیم گہوارۂ تجلّی
یہ حکمت و خیر کا پیمبر
جمالِ گوتم کے نقش و آثار
ٹیکسلا کے وہار و معبد
یہ کوہساروں میں خلوتیں، سینکڑوں گپھائیں
یہ زعفراں پوش بھکشوؤں کے ہجوم
ہر سمت چاندنی، شانتی، اُجالا
یہ وادیٔ علمِ ذات ہے اس کی وسعتوں میں کہیں بھی مخل دعا نہیں ہے
حسیں اشاروں میں یہ کلامِ شگرف جو صوت و حرف سے آشنا نہیں ہے
شنیدنِ عقل و دیدنِ علم و خلوتِ کلفتِ تمنا
بشر یہاں دیکھتا ہے خود اپنی ذات کا جلوہ و تماشا

یہاں سکندر کھڑا ہوا سوچتا ہے
یونانیوں کو حیرت سی ہو رہی ہے
ہفتنیاں اور نیارکس جھانکتے ہیں خلوت کدوں میں جیسے
پناہ کی جستجو میں بھٹکتے ہوئے کبوتر
یہاں نہ ذوقِ ستم نہ آوازۂ نمائش
کوئی تمنا نہ کوئی خواہش
مگر سلامِ سلامتی دریا راستی سب کے واسطے ہے
نہ کوئی مومن نہ کوئی ترسا
مگر یہ سیاح یہ تنک ریش چین کے مردمانِ دانا
جیالے درویش جن کو ہیں مشکلیں گوارا
جو پاپیادہ یہاں پہ آئے ہیں روشنی کی تلاش میں
دیکھئے وہ اک پیر مرد لاٹھی پہ جھک کے رونے لگا

یہی ان کا رہنما ہے
یہ فاہیاں ہے!
وہ خضر جو آج تشنہ لب ہے
یہ روم سے باختر سے آتے ہوئے شب و روز کارواں
شبنموں میں ڈوبے ہوئے حسیں ناچیے، بہاروں کے آشناں
لیجئے ہیون سانگ آرہا ہے
ہیں شہرِ بے رنگ علم کی رونقیں اسی سے

پاکستان

بہشتِ فکر و خیال کے ہمہمے اسی سے
نتیجہ فکر و طاعتِ بے ریا کے انعام سے گریزاں
وقار سے چل رہا ہے جیسے بھرے ہوئے بادلوں کے انداز جانتا ہو
زمیں کی آواز کو سمجھتا ہو، درد پہچانتا ہو
یوں دیکھتا ہے جیسے کوئی پرندہ جو ایک مدت کے بعد چھوٹا ہو
نقرئی ریت کی سنا برق سلوٹوں، سیمیائی لہروں کی بے اثر کروٹوں کو
سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہو
یہ کون جانے کہ اس کے چاروں طرف بچھائے گئے ہیں کس طرح دامِ رنگیں
اٹوٹ، مضبوط، سخت و سنگین
یہ دام وہ شخص دیکھ سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ
انساں ازل سے انساں کا ہے شکاری
بشر کی تقدیر خود بشر ہے
خرامِ ابرِ بہار و رفتارِ یار و موجِ شفق بہانہ
وگرنہ ہر چشمِ پاسباں ایک حلقۂ دام ہے جو دیکھو
کنارِ دریا سے ایک درویشِ بے نوا کے دیار تک
بارگاہِ خسرو سے دامنِ کوہسار تک
سُرخیِ کفِ دلبراں سے ہر شعلۂ دلِ بے قرار تک
صرف ایک ہی سلسلہ ہے
لیکن یہاں گنے کون اپنے آنسو

پاکستان

کسے گریباں کے تار دکھلائیں
اور پھر یہ عجب نہیں ہے
کہ تارِ پیراہن و قبا دام بن نہ جائے
یہ آنسوؤں کی لرزتی ڈوری کسی سلاسل میں ڈھل نہ جائے
وگرنہ یہ مشتِ خاک ہر حدِ اوجِ ممکن سے بالاتر ہے
شجر حجر کہسار و دریا خدا نہیں ہیں
وہ ایک شاعر کی طرح خود سے کبھی اُلجھتا ہے
لیکن اک فلسفی کی صورت وہ سب سمجھتا ہے
مرغزاروں میں چاندسی رانیاں خراماں
یہ سایۂ تاک تاک میں ناؤ و نوش کی محفلیں
یہ شیریں لبانِ خوش وقت کے ترانے
کہانیاں ان کہی، سنے ان سُنے فسانے
حصار اندر حصار طوفاں
مغول و خوشحال خاں کی جنگیں
دلوں میں آزادیوں کے ارمان
خوشی سے جینے کی یہ امنگیں
نوائے رحمانِ عارفانہ
ہے دام بردوش پھر زمانہ
سراب ہے بحر کی روانی

ہے سایۂ خوابِ عمرِ فانی

حریمِ لالہ و گل ہے نہ کوئی چترِ بہار
نہ رنگ بوئے ریاحیں نہ صوتِ مرغ و ہزار
نہ کوئی سقفِ مطلا نہ کوئی بام بلند
نہ سنگِ در نہ کوئی مرمریں در و دیوار
نہ جگمگاتے ستونوں کے ناچتے سائے
نہ جالیوں سے کوئی جھانکتا ہے روئے نگار
نہ کوئی گنبدِ زریں نہ جگمگاتا کلس
یہ ایک مرقدِ ویراں یہ چو حدی اور بس
یہ ایک نقشِ تمنا سکوتِ شام میں گم
ہوائے درد کے جھونکوں کی زد پہ شمعِ مزار
عیارِ اہلِ وفا درد و داغ و رنج و فراق
متاعِ غم زدگاں گرد و بادِ رہگزار
مگر کبھی اسی وادی میں آکے اُترے تھے
خدا پرست، ستارہ ستاں، فرشتہ شکار
جو آگئے ہو تو اب یہ بھی دیکھتے جاؤ
یہ چوٹیوں پہ الاؤ کہ اب نکل آؤ
اُدھر سپاہِ ستم پرورد ستم آرا
ادھر خدا کے پرستار کچھ غریب نواز
لڑے اور ایسے لڑے کانپ کانپ اٹھے کہسار

پاکستان

سکھائے کون مسلماں کو جنگ کے انداز
اور اب فضا میں بکھرتا ہوا غبارِ وجود
یہ خاک جسکے لئے عرش، فرشِ پا انداز

سلام قریۂ مرداں اے خاکِ بالاکوٹ
ترے وجود پہ یہ ارضِ پاک نازاں ہے
طرازِ سرورقِ داستاں ہے نام ترا
ہمارے مصحفِ ہستی کا تو ہی عنواں ہے
تری زمین کا لہجہ ہے کربلا کا سا
تری نوا تو نوائے ضمیرِ انساں ہے

یہ سندھ ہے
جھیل مانسرور کے دیدہ و دل کا نور
برفانی چوٹیوں کا جمالِ یکتا
بتازہ روئی بہارِ بستاں
بدشتابانی جوابِ ترکاں
بخوش خرامی غزالِ صحرا
بہ استواری شکوہِ دانشورانِ مشرق
بہ سنگلاخِ شکایت و درد، کوثرِ التفاتِ یزداں
یہ جس کی آغوش میں

پاکستان

ہزاروں نقوش تہذیبِ رفتگاں کے
یہ جس کے تٹ پہ تھرکتی صدیوں کے مٹتے بنتے ہوئے ہیولے
موئنجوڈارو! موئنجوڈارو!
یہ خاتمِ ایزدی کا ٹوٹا ہوا نگینہ
ہمارے اجداد کی ہے میراث
یہ کھنڈر وہ ہیں جن سے نیروئے دل عبارت ہے
سندھ کا طاس
ہمنوا نیل و نینوا کا
صراحیاں، روغنی پیالے،
نشاطِ رفتہ کے ترجماں، محفلِ پریشب کے نوحہ خواں
ننھے ننھے منکوں کے یہ لڑے ہار، چوڑیاں، بالیاں، بوٹے
یہ ہیکلیں - بختِ دلبراں کی نشانیاں مجھ کو چومنے دو
صنمکدۂ دلبری کے ان پیکروں کے ہمراہ جھومنے دو
مجھے بھٹکنے دو ان ہیولوں کی وادیوں میں
مجھے بگولوں کے ساتھ مل مل کے رفتگاں کو پکارنے دو
اُبھرتی پرچھائیوں کے ہمراہ گھومنے دو
دکھوں کے جھولے میں جھولنے دو
اور اب سامنے پھیلی ہوئی کتنی راہیں
پھیلتا بڑھتا ہوا چار طرف دشتِ ندا

پاکستان

رہواروں پہ مگر کون اُڑے آتے ہیں
کون کہتا ہے کہ بستی ابھی آیا آیا
یہ جگر دار، سجیلے، عربی شاہ سوار
ایک اٹھارہ برس کا ہے مجاہد سالار
شفقستانِ شہادت بنی شامِ صحرا
ڈھل گئی رات، وہ آتی ہے سحر، بسم اللہ

آج صحرا ہے کہ اک نور کا بہتا دریا
تیرتے پھرتے ہیں گردوں پہ سنہری بادل
رات پہنے ہوئے ہے پیرہنِ صبحِ ازل
رنگ کیا لایا ہے خونِ شہداء دیکھو تو
اک شرارہ بھی تو بُت خانے کھنڈر میں نہیں
کونسا پھول ہے جو باغِ مقدر میں نہیں
ندیاں آہوئے جستہ کی طرح آوارہ
چشمِ مشتاق یہ کیا دیکھتی ہے نظارہ
کوئی سُر مطرب مرغولہ نوا بہر خدا
کوئی الغوزہ بجا چھیڑ ذرا اکتارہ

سُر بھٹائی

سستی سستی نوں بٹے ریت دے جیویں موسے نوں کوہ طور

ہتک نہ مائے کیچ دے راہوں تے میں ویساں کیچ ضرور
کرساں حج دی بلوچ دی مینوں کعبہ نامنظور
لال لطیف اج کرم کریسی ونج مرساں ہوت حضور

سیّد یہ کون شہزادیٔ ذی حشم ہے؟
یہ کون بانوئے محترم ہے؟
وفا کی راہوں میں پابرہنہ
یہ کون یہ کون خوش قدم ہے؟

سسّی خان نیل دے اُٹھاں دے میں تاں پیر چمیندی وتاں
بٹیاں تے چڑھ کوکاں ماراں میرا خان سنڑے سدمتاں
ہجر کٹاری پھٹ ہن کاری واہندیاں تھل وچ رتاں
لال لطیف اج کرم کریسی بھانویں کھوٹ کیتا ہے جتاں

سیّد اے کچھ کے باسیو آجاؤ
اس بے چاری کو بہلاؤ
کچھ چارۂ وحشت فرماؤ
تسکین کا مژدہ پہنچاؤ

سسّی نبڑ کر یال ودی کرلاواں مولا وچ تھلاں دے
قدم قدم تے دیواں سجدے گھن گھن ناں سجناں دے
سرتوں جھلی ڈاڈھی گھلی مٹ گئے پیر اٹھاں دے
لال لطیف اج کرم کریسی میلے ہوسن کیچ گیان دے

پاکستان

سید
کھو گئی صحرا میں آری کی سواری ہائے ہائے
کھو گئے کن وادیوں میں وہ جھاری ہائے ہائے
سیج پر صحرا کی ستی سو گئی ہے دوستو
اب نہ جاگے گی کبھی وہ غم کی ماری ہائے ہائے

سُرمایا

اک ملکوتی نغمے کا سُر گم سنتا ہوں دیو بھون سے
سُر بُرمہ یائیں سم کنیائیں ناچ رہی ہیں الھڑ بن سے
ہنستی ناریں یہ چلہاریں لاڈ کرت ہیں من موہن سے
چھینا جھپٹی نوچا کھوچی کیا گھبرائیں کھل گنجن سے
رنگ اُڑائیں ساون گائیں ہنس ہنس نرت کریں ساجن سے
ہونٹھ گلابی نین شرابی من میں لہریں رُت بندھن سے
لیکن اک البیلی بانکی نار الگ بیٹھی سکھین سے
سوچ رہی ہے انبر چھوڑے، ناطہ جوڑے جگجیون سے
تو اٹھی وہ نیچے اتری تار اپتھ سے، رتنا سن سے
جیسے بادِ بہاری شرما کر باہر نکلے گلشن سے
رُوح رسولوں کے پیکر سے جیسے خوشبو پھول کے تن سے
جیسے جیوتی دیپ سے نکلے، موتی ٹوٹ چلے معدن سے
سورج میگھ محل سے نکلے، جیسے چھوٹے چاند گہن سے
اک البیلا شاعر جیسے روٹھ چلا ہو صبحِ وطن سے
یوں چپکے چپکے یہ سندر ناری اُتری رُوپ گگن سے

پاکستان

اور پھر صدیاں بیت گئیں محروم رہی دھرتی درشن سے
نورِ ظہور کا شوق چرایا جنم لیا پھر سُندر بن سے
پدما کی لہروں سے اُبھری پیت بڑھائی گنگ جمن سے
کنج کنول کیلوں میں کھیلی روپ سروپ لیا پٹ سن سے
نوک جوانی کی یوں نکلی چونک پڑی دھرتی سپنن سے
ہیں سے بھی مل کر بیٹھا ہوں برسوں ساتھ رہا ہیلن سے
لیکن یہ پرموہی جس نے جنم لیا امرت منتھن سے
کرشن کی بنسی نازک بیکر نغمے پھوٹیں عاف بدن سے
قد قامت کی بات نہ پوچھو کیا کھیلو گے دار و رسن سے
ابرو دل میں تیر ترازو انکھ ملا دیکھو چتون سے
سینہ نور سفینہ اس کا مانگ بھری پاؤ چندن سے
مار گئی یہ پاکستانی چمپا رانی بان مدن سے
ہم سیلانی شاعر ٹھہرے مست ہوئے صہبائے سخن سے
یہ واقف ہر ملت کے ایک ایک صحیفے اور شاسن سے
واقف سارے طور طریقے مشق ریاضت ہر سادھن سے
تین زبانوں تین زمینوں تین زمانوں کے بندھن سے
رُوپ سبھا کے پروانے آئیں ڈھاکے، دلی، لندن سے
تینوں لوک پجاری اس کے یہ بیگانہ ما و من سے
پریم کی مدرا چھل چھل چھلکے امرت جل برسے نینن سے

پاکستان

یہ میری دھرتی ہے دیکھو دل روشن اس کے جوبن سے
تین سُروں کی تان انوکھی داد طلب ہے اہل فن سے
سُرمایا سرمایہ اپنا سُرمایا سمجھو گُنیسن سے
جعفر طاہر عشق ہمیں ہے کہنے کو سندر سندھن سے
یہ سمبل سمجھو تو جانیں یہ سنگم دیکھو ورنن سے

زہے دیارِ پاکِ ما۔ بہشتِ ما۔ بہارِ ما
چمن چمن۔ دمن دمن حریرِ سبزہ زارِ ما
سپیرِ مرغزارِ ما
فروغِ برگ و بارِ ما
طلسمِ لالہ زارِ ما
جمالِ آشکارِ ما
سوادِ کاہگارِ ما
زہے دیارِ پاکِ ما۔ بہشتِ ما۔ بہارِ ما

ریاضِ خوش کنارِ ما۔ چوں موجِ گُل غبارِ ما
زہے نشاطِ کارِ ما۔ زہے شگفت زارِ ما
بہ تختِ شاخسارِ ہا
ترانۂ ھزارِ ہا

پاکستان

سرودِ جوئبار ہا
نشیدِ آبشار ہا
ہجومِ نے سوارہا
زہے دیارِ پاکِ ما - بہشتِ ما - بہارِ ما

ہوائے مشکبارِ ما - نوائے کبک و سارِ ما
فضائے سازگارِ ما - صبائے غمگسارِ ما
سحاب ہائے دجلہ بار
چشمہ ہا بہ کوہسار
آہواں بہ مرغزار
خیلِ مرغِ میوہ خوار
خوانِ کردگارِ ما
زہے دیارِ پاکِ ما - بہشتِ ما - بہارِ ما

عطائے قائدِ جلیلؒ و مردِ نامدارِؒ ما
جزائے گیر و دارِ ما - بہائے کارزارِ ما
نشانِ رفتگاں ہمیں
حریم و آشیاں ہمیں
مغان و ارمغان ہمیں

پاکستان

بہار و گلستاں ہمیں
حذر ز نوکِ خارِ ما
زہے دیارِ پاکِ ما۔ بہشتِ ما۔ بہارِ ما

خدا پرست و حق نگر صغارِ ما۔ کبارِ ما
سپاہِ جاں نثارِ ما۔ زہے وفا شعارِ ما
اجل پرست و سخت کوش
غازیانِ سرفروش
صاحبانِ عزم و ہوش
سلح پوش۔ برق جوش
ایں ملک شکارِ ما
زہے دیارِ پاکِ ما۔ بہشتِ ما۔ بہارِ ما

زفیض و بخشش و نگاہِ آفریدگارِ ما
بدستِ ما عنانِ کاروبار و اختیارِ ما
ادیب و دلفگار خوش
غریب و کشتکار خوش
پیادہ و سوار خوش
زنانِ سوگوار خوش
خوشند پردہ دارِ ما

پاکستان

زہے دیارِ پاکِ ما ۔ بہشتِ ما ۔ بہارِ ما

زہے سپہر و آسمانِ ناز ہے مدارِ ما
وقار و افتخارِ ما ۔ جہانِ رستگارِ ما
بدشت و ریگ زارہا
خروشِ راہوارہا
بہ شط و رودبارہا
سفینہ ہا سوارہا
چوں بحر جویبارِ ما
زہے دیارِ پاکِ ما ۔ بہشتِ ما ۔ بہارِ ما

دلیر و شیر و ہوشیار ایں نگاہدارِ ما
ہمہ عصائے موسوی ۔ تمام ذوالفقارِ ما
سپاہِ بے شمارِ ما
دیارِ استوارِ ما
حصار و کوہسارِ ما
چہ نقشِ پائدارِ ما
کنارِ ما نگارِ ما
زہے دیارِ پاکِ ما ۔ بہشتِ ما ۔ بہارِ ما

الجزائر

ترا پجاری، ترا بھکاری
دھڑکتے دل اشکبار آنکھوں سے تیری دہلیز پہ کھڑا ہے
نہیں کہ تیرے وصال کی دل میں خواہشیں ہیں
نہیں کہ میں تیرے قرب کی لذتوں کا جویا ہوں
ترے سینے کے خوش نما نور سے دل و جاں کی تشنگی
جسم و رُوح کو نوچتی جھلستی ہوئی کسی آگ کے بُجھانے کی آرزو ہے
نہیں کہ تیری مہکتی سانسوں کے مرغزاروں سے کوئی جھونکا اُڑا کے
خوابوں کی سرزمینوں کو لوٹ جانے کی سوچتا ہوں
نہیں کہ تیری گھنیری پلکوں کے آسماں سے کوئی ستارا اچرا کے تاریک وادیوں کے
سفر پہ جانے کا ولولہ ہے
کہاں مجھے اب یہ حوصلہ ہے
قبا و قامت کے ہر طلسمِ حسیں کو پہچانتا ہوں
تیری قبا، کسی نوعروس کے رُخ پہ وصل کی شام شرم کا ہلکا ہلکا غازہ
حجاب کی رنگ رفتہ سُرخی
تکلف و احتیاط کی بولتی ہوئی تہہ کہ جس کے نیچے

طلائی رخسار گرم بوسوں کی حدتوں سے تپے ہوئے
جیسے پختہ انگور اپنے رس کی شراب میں خود اُبل رہے ہوں
تری نگاہوں سے پھول کھلتے ہیں شعر ڈھلتے ہیں دُور چلتے ہیں
تیرے شانوں پہ ناچتی شام تاجداروں میں خلعتیں بانٹتی ہے
تیرے شگفتہ ہونٹوں پہ قہقہوں کی لڑی ٹوٹ ٹوٹ کر گلستاں بناتی ہے
تیرے سینے کے پھول قوس قزح کے خاکے ہیں رنگ بھرتے ہیں
تیری سانسوں کی ڈوریاں، لوریاں، سُروں کے اُبھرتے لہرے
تری کمر قسمتوں کا چکر، دنوں کا محور، وہ چاک جس پر
جواں نگاہوں کی پریاں رہ رہ کے گھومتی ہیں
سفید رانیں۔ نئے نئے معبدوں کے رخشاں ستون، بیداغ، ٹھنڈے
ترا بدن پُر جلال صبحوں کا سرمدی گیت ہے
ترا آتشیں دہن دیوتاؤں کا نغمۂ جنوں ہے
مجھے خبر ہے
کہ
تیری زلفوں کی سلطنت میں صداقتوں کا گزر نہیں ہے
حقیقتوں کی سحر نہیں ہے
مجھے خوشی ہے کہ ہم
خداؤں کی طرح مل کر جئے
ہمکتی رُتوں، طربناک موسموں کی طرح

الجزائر

ہم اک دوسرے کی آغوش میں سدا ڈوبتے ابھرتے رہے
مگر آج زندگی تیرے عشق میں تلخ ہو گئی ہے
میں تیرے سیمیں بدن کی سنگین سیج پر اب تڑپ رہا ہوں
تیرے گھنے گیسوؤں کی چھاؤں میں دم گھٹا جا رہا ہے
تیرے بھرے بھرے بازوؤں میں اپنے بدن کو پاتا ہوں خالی خالی
خدارا اب چھوڑ دے
مجھے چھوڑ دے خدارا!
کبھی ترا جسم ڈولتے بادلوں کا بجرا تھا
خوشبوؤں کے سمندروں پر تھرکتی نوکا
یہ جسم اب شیر کی طرح کاٹتا ہے
اک بھوکے بھیڑیے کی طرح مرا خون چاٹتا ہے
تری سبک انگلیاں
کسی ریچھ کا شکنجہ، سیاہ پنجہ جو میری گردن میں گڑ گیا ہے
تری نگاہیں
کسی خدانا شناس عیاش کاؤنٹ کے تازی کتوں کی طرح میرے پیچھے لگی ہوئی ہیں
میں جنگلوں جھاڑیوں میں چھپتا ہوا
گھنی وادیوں کے دل چیرتا ہوا،
ہونکتی ڈھلانوں سے لڑکھڑاتا ہوا
پھسلتا ہوا چٹانوں سے

الجزائر

قوس در قوس دائروں، ماہ و سال کی گردشوں سے ہر موڑ پر اُلجھتا ہوا
شب و روز کی فصیلوں پہ جست کرتا اُڑا چلا جا رہا ہوں
لیکن
جہازی کتّوں سے بچ کے بھی میں نہ جی سکوں گا
مجھے مری زندگی کے ایام نوچتے ہیں
سسکتی گھڑیاں مری رگوں کو مروڑتی ہیں
یہ ہانپتے بحر کی لگاتار خشک آہیں
لٹے ہوئے بام و در پہ کتنی اداس رُوحوں کی طرح آوارہ بادلوں کا ابھرتا نالہ
دنوں کا گریہ، شبوں کی زاری، سوادِ صحرا کی ہچکیاں
اور تجھے یہ ضد ہے
میں ان کراہوں کو نغمۂ دلبری سمجھ لوں
وصال کی سیج پر کسی برہنہ بدن شاہزادۂ والا چشم کی سرگوشیاں سمجھ لوں
مگر نہیں، میری رُوح ڈرتی ہے
تیری زلفوں میں سرسراتی ہوئی سیہ ناگنوں سے ڈرتی ہے
تیری لہراتی انگلیوں تیرے آتشیں ناخنوں سے ڈرتی ہے
تیز آرے جو میری نس نس کو چیرتے ہیں
مگر کوئی بار بار مرتا نہیں
کوئی بار بار جیتا نہیں
یہ آنکھیں جو دیوتاؤں کے معبدوں کی طرح حسیں ہیں

عجم کے زرتشتیوں کے آتش کدوں کی مانند جاوداں ہیں
صنم کدوں کی طرح امر ہیں،
محبتوں کے چھپے ہوئے سات آسمانوں کا نور ہیں
آج نفرتوں کی چتائیں بن کر بھڑک رہی ہیں
دراز پلکیں اُٹھے ہوئے نیزوں کی صورت
دل و جگر میں اُتر گئی ہیں
کہ جیسے کوئی سپاہ دریا میں کود جائے
یہ تیرا سینہ وہ آئینہ خانہ ہے کہ جس کی تلاش میں
جس کی جستجو میں
دیارِ مشرق کے تند خو حکمراں
جگر وار شاہزادے بھٹکتے پھرتے ہیں
جس کے شوق طواف میں
سر پٹکتے پھرتے ہیں چاند سورج
زمین پنجوں کے بل کھڑی گھومتی ہے
لیکن
یہ تیرے سینے سے کھولتا سرخ و زرد لاوا نکل رہا ہے
مرے ریاض و رواق میں آگ لگ اٹھی ہے
مرے دیار و دمن بھسم ہو رہے ہیں
افلاک چادرِ سوختہ کی صورت

جلے ہوئے کاغذوں کے انبار کی طرح اک طرف پڑے ہیں،
کھڑا ہوا سوچتا ہوں
تیرے قریب ہو کر یہ سوچتا ہوں
یہ نارِ نمرود میری خاطر ہے
سارا دوزخ مرے لئے ہے
تو درد کے پھول جن کے زلفوں میں گوندھتی ہے
تو آنسوؤں کی چمکتی کلیوں کے باندھتی ہے کلائیوں پر سفید گجرے
مرا سیہ خون تیری آنکھوں میں گاتا کجرا
تری قبا ننھے ننھے بچوں کی سسکیوں سے بنی ہوئی ہے
لٹی ہوئی بیویوں کی دم توڑتی ہوئی ہچکیوں کی بخیہ گری ہے اس میں
دلوں کے تکمے، ترستی آنکھوں کے اس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں
مگر سمجھ لے
پرانے ایام کا وہ ناپاک پیرہن جل چکا ۔ زمانہ بدل گیا ہے
میں عیش و آرام کی حقیقت کو پا چکا ہوں
غبارِ ایامِ درد، خوابوں کی گرد چہرے سے دھو چکا ہوں
مری نگاہوں میں اب دھندلکے نہیں، کوئی جھلکے نہیں
اور میری منزل
کسی سپاہی کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار کی طرح جگمگا رہی ہے
یہ بجلیاں میری شیر دل بیٹیوں کی لہراتی چنریاں ہیں

الجزائر

یہ زلزلے میرے دیس کے دلیروں کے نغمے ہیں
تیرے ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ، ترے بموں کے زبوں دھماکے
ہمارے کانوں میں آنے والے دنوں کی سرگوشیاں ہیں،
تازہ رُتوں کی معصوم نغمگی ہے
مجھے کوئی غم ہے تو یہی ہے
کہ میں خدا کیوں نہیں
وہ جبّار و قادر و قاہر و ستم آفریں خدا
جس کے ہاتھ میں تیری میری جاں ہے
مگر او بے رحم نازنیں
سنگدل ستمگار ساحرہ
ناسپاس، کج فہم، تند خو قاتلہ
ہوس آشنا حسینہ
یہ جان لے
میں جو مر گیا بھی تو میری آواز مر نہ پائے گی
آسمانوں کے ننگے ٹیلوں پہ نور کا پھول بن کے اُبھرے گی
چاندنی کا حسیں شجر بن کے لہلہائے گی
جلتی صدیوں کے تٹ پہ
تیری دراز پلکوں کی تیرہ و تار لمبی راتوں میں
تیری زلفوں کے ہفت کشور میں

الجزائر

زندگی کے دہاڑتے گونجتے گرجتے گجر کی صورت دہاڑتی گونجتی رہے گی
ابھی تو زندہ ہوں
کیا ہوا میں خدا نہیں
تو سمجھ سکے تو خدا سے کم بھی نہیں
ترے دیوتاؤں کی تو مجال کیا ہے
کہ میں نسیم سحر نہیں ہوں
ببر ہوں، بربر ہوں، تند صرصر ہوں
جلوۂ رہگزر نہیں ہوں
مری رگیں تیری موت کا دام بن کے ہر سمت بچھ گئی ہیں
تو مجھ سے ٹکرا کے، چھیڑ کر مجھ کو مسکراتی ہے
میں تجھے اپنے پیلے جبڑوں میں لے کے اس وقت سوچتا ہوں
کہ آرزو اور زبان کے ذائقے کی خاطر
ترا بدن کاٹ کاٹ کھاؤں
تجھے خبر ہے کہ تیرے بوسوں کی پپڑیاں آج میرے ہونٹوں پہ جم کے ناسور
بن چکی ہیں
مری زباں آج دشت و صحرا کی تشنگی آج ساری دھرتی کی پیاس بن کر
سُکڑ رہی ہے
ترے لہو کی شراب سستی ہو
پینے والوں کا جمگھٹا ہو

تری شفق رنگ شہد آگیں چھلکتی پر نور چھاتیوں کو چباؤں جیسے
پکے ہوئے سیب کو چباتے ہیں
تیرے پتلے چھریرے نازک بدن کو پاؤں تلے مَسَل دوں
کڑھے ہاتھوں کی چکیتوں میں کچل دوں
ترے گلے سے بڑھ کر حیات کا نغمۂ جواں چھین لوں
تری آتشیں جبیں کو مروڑ کر
تیرے زانوؤں کو نچوڑ کر
تیری رُوح کی خاکِ مشکبو میں خوشی کے لمحوں کو گوندھ کر
پھر سے چاند سورج ستارے ڈھالوں
تیرے اچھوتے کنوارے سینے کا سچا سونا اچھالتا پھاندتا پھروں
تیرا خون دیوار و در پہ مل دوں
یہ دیکھ چلنے لگی ہے آندھی
غبارِ صحرا میں گھر گئے تیرے دیوتا،
دیکھ ریت سے اَٹ گیا سمندر
ترے ہزاروں جہاز، ناپاک جنگی بیڑے
کھڑے کھڑے دفن ہو رہے ہیں
یہ دھجیاں تیرے پرچموں کی
پھٹی ہوئی جھنڈیوں کو دیکھا
یہ کس طرح اپنا سینہ رہ رہ کے کوٹتی ہیں

الجزائر

تیری بہاروں کی موت پر یہ شکستہ پر تتلیاں تڑپ تڑپ کے خاموش ہو گئی ہیں
یہ ریت کے سخت و گرم و سنگیں کراڑ بجنے لگے ہیں
صحرا حصارِ مرگِ دوام بن کر کھڑا ہوا ہے
طرف طرف گرد و باد کی اٹھی فصیلیں
کہ جن کے سائے میں
ترے کتنے گرجتے بمبار مکھیوں کی طرح پڑے بھنبھنا رہے ہیں
یہ دیکھ ہر سمت ایک تاریک و تار سایہ ابھر چلا ہے
عظیم انجینئر کی رفعتوں کو لپیٹ کر
تیرے نئے ترے قدیم کی فلک بوس منزلوں کو سمیٹ کر
تیرے دشت و دریا کی لاش پر
چادرِ کفن کی طرح پڑا ہے
ترا بھرم کھل گیا ملمع اتر چکا ہے
مگر جو تو خود کو دیکھ پائے
کبھی جو تو اپنی ذات کے ملک میں نکل کر سفر کرے تو
قدم قدم پر نشان و آثارِ مرگ دیکھے
ہوائے صحرا کی زد پہ اپنے چمن کا تو برگ برگ دیکھے
یہ حکم ہے آج ریگِ صحرا سمندروں سے خراج لے گی
یہ موت کی قوم تاجداروں سے چھین کر تخت و تاج لیگی
بشر کی آواز،

دل کی دھڑکن

دھاڑتی گولیوں گرجتی گنوں برستے بموں پہ بھاری ہے
ایک بچے کی چیخ کا رعب
موت بن کر ہوس پرستوں کے رخ پہ طاری ہے
سارے عالم کا تیرے انجام سے جگر کانپنے لگا ہے
ترے بدن کے فریب نے
تیری مسکراتی نظر کے سحر و فسوں نے
تیری گھنیری پلکوں کی خوابگوں چھتریوں نے جس کو سلا رکھا تھا
جسے ترے کشتگانِ غم نے بھلا رکھا تھا
وہ ذرہ ذرہ اب چیخنے لگا ہے
زمین کے آخری کنارے دھڑک رہے ہیں
ترے ستارے بھڑک رہے ہیں
طرف طرف آگ لگ اٹھی ہے
تجھے اسی آگ میں نہا کر
شراب کا ایک ایک دھبہ
گناہ کا ایک ایک داغ آج دھونا ہوگا
ایلانے لوپ کی طرح بجلیوں کے تاروں پہ سونا ہوگا
تجھے کو بیٹے گریگوری کی طرح جوانی پہ رونا ہوگا
نسیمہ ہبلال کی طرح آزمائشوں سے گزرنا ہوگا

جواں جمیلہ کی طرح سو بار مرنا ہو گا
یہ وقت جس گھاٹ بھی اتارے اُترنا ہو گا
تجھے بھی بوعلم باہمد کی طرح کئی ظلم سہنے ہونگے
ابھی کئی راز کہنے ہوں گے
شریف ظاہر کد مر گیا؟
سِفتہ و طلبیسی کہاں گئے؟
قیدیوں کے سر کاٹ کر تو نے کونسی ممٹیاں سجائیں
مجاہدوں کی تڑپتی لاشوں پہ کونسی بیرکیں بنائیں
مری وفاؤں کو بھول جا
اب شکستِ پیماں کا طعن کیسا
مشیت اور وقت میں لڑائی ہے
جنگ اپنے لئے بھلائی ہے
اور پھر تو یہ جانتی ہے
کہ ہر محبت کا تلخ نفرت پہ خاتمہ ہے

○

سلام اے جواں کے وطن
اس شہید و مظلوم کے وطن
جو حنا کے منبر پہ سُرخ شعلوں کا جگمگاتا لباس پہنے
ابد کے معبد میں فرقِ نازک پہ چاند سورج کا تاج رکھے
کسی پیمبر کسی جواں سال دیوتا کی طرح کھڑی مسکرا رہی ہے

الجزائر

سلام اے بونا پارٹ کے شہرِ آرزو
زعمِ کجکلاہی کے رازداں
جس کے پاؤں میں پربتوں کی برفیلی چوٹیاں
ایک راہبہ کی سفید اُجلی قبا کی صورت پڑی ہوئی ہیں
زمانہ جس کے اُٹھے ہوئے تازیانے کی ضرب سے
کسی زخم خوردہ کتے کی طرح رہ رہ کے چیختا ہے
سلام اے جوزفین کے نازِ دلبری کے نگار خانے
حسینۂ صد ہزار عشوہ کے آستانے
گھڑی گھڑی ڈولتا اُبھرتا اُمڈتا سینہ
کہ جیسے اک سلطنت کی بنیاد ہل رہی ہو
زمانہ زیر و زبر ہوا جا رہا ہو
مغرور حکمراں جس کے آستاں پر
غلام کی طرح دستکیں دے کے ڈر رہا ہے
سلام اے عاشقانِ والا کرام کے دیس
رازدارِ ابنِ عمرفانی کے وہ جہاں
جس کے نوجواں
آبروئے مقتل، وقارِ میداں
ڈوئل کا ہنگامۂ فنا رقص
"دو کی خاطر تفنگ و تلوار

ایک ہی کے لئے ہو کافی"

سلام اے نگاہوارۂ انقلاب خونیں

تلک حشم انتونیت و خوش فکر شینیر کے لہو سے رنگیں

رَوش رَوش خونِ سرفرازاں

ہجومِ وغوغائے کارسازاں

یہ ہیتل کے اُبھرتے سائے

بریدہ سر بیگموں کی پرچھائیاں

اَجل کی مہیب انگڑائیاں

گلوٹین کے تلے

پھول ہنس گئے

تیری عظمتوں کے دیار میں

تیرے منچلے تیرے دل جلے

سر پہ کتنے الزام دھر چلے

تیری رحمتیں عام کر چلے

سرزمین روسو

حریم لافان تیسن، ریسیں، پاسکل، بولیو کی دنیا

دلامت گوتیا، ستاں دال، شونر، لامارتین دگوگاں،

فلابیر، موپساں، ہیوگو، سلارمے، بالزک، اناطول،

آندرے ژید، مورو، شین، کامیو، برگساں،

وِلاں ، لارِبو ، بوَالو ، وَلیری و مولئیر کے رنگیں دیار
تیرے نثار
فردوسِ کوربی آر
خلدِ رینیاں ، بہشتِ مونے ، بہارِ بیکات و نورِ سیزاں
سلام جلوہ گہہ پری پیکرانِ رو داں
سلام اے مرکزِ تجلاے اُوتریل یُو
قدمگہِ بانوانِ خوش خو
وہ کون ہے کون جو ترے والتر سے شعلہ نگار کو جانتا نہیں ہے
جو بودلر سے جواں سخن سنج کا فسوں مانتا نہیں ہے
جو تیرے ڈوما سے ایمی زولا سے تیرے رُولاں سے بیخبر ہے
جو بیرس و دو ہیمل وکے پو سے ناشناسا ہے کم نظر ہے
سمندروں قلزموں کے تیراک تیرے بیلاک سے ملا ہوں
جہانیاں گشت و مست و مجذوب و مردِ بیباک سے ملا ہوں
وہ کون ہے جس نے کوپ راں کے اُداس نغمے نہیں سُنے ہیں
یا لوئی فلر کی آستینوں سے پھول شب کو نہیں چُنے ہیں
جو تیرے دودے کی عادتوں پر نہ ہنس پڑا ہو
نہ پال وِرلاں نہ جارج کورلین درومنیئہ کو پڑھا ہو
نہ پیر الوئی کی داستاں کا اثر لیا ہو
حسیں زمانوں کے ذکر پر جو نہ رو دیا ہو

نہ پال موروں کا میرا بو کا ہو جس پہ احساں
وہ ژاں انوئی — فریبِ شرم وحیا پہ نالاں
عظیم انساں
ولاں کی طرح ملنگ لیکن دبنگ شاعر
جواں نظر ریشس پیکس سے آشنا ہوں
(وہ میرا لختِ دل ہے)
وہ اس کی آوارہ گردیاں، شب نوردیاں
بادیہ نشینوں کے ساتھ نغمہ سرائیاں
جیپوں کے ہمراہ بادپیمائیاں
کسی حورِ قافلہ کے حضور سجدہ گزاریاں
رات رات بھر آہ وزاریاں
کالمیت وبیرادوکار کورہ چکے ہیں میرے ندیم وساقی
تری جواں سال ساحرہ، چاند چہرہ پرکار شاعرہ
تیری کاشتے نُوہی کی بھی دل میں ہے یاد باقی
اکادمی گون کور کے ممبروں سے واقف ہوں
رُوڈی لا اوڈین میں گھوما پھرا ہوں برسوں
میں ہلو یا یچ کی دکاں پہ
جنابِ جائس کے ساتھ بیٹھا اٹھا ہوں برسوں
نگارخانوں، شراب خانوں، تھیٹروں میں

الجزائر

کبھی کبھی ہیولاک ایلس، آگاستس جون، فورڈ میڈکس فورڈ
بب، سیم، پاونڈ، برنارل گئے ہیں تو
زندگی خواب بن گئی ہے
میں روڈی کاندے کے اس حریم سخن کا زائر ہوں
جس کے دروازے شاعروں کے لئے ہمیشہ کھلے رہے ہیں
جہاں کئی اہل فن ملے ہیں
وہ لوگ جن سے کئی نئے سلسلے چلے ہیں
ایونیو ڈی لا آپرا کے تمام فنکار جانتا ہوں
یوویٹ گلبرٹ کے حواری
وہ سارا برن ہار کے پجاری
اداشناسِ پری جمالاں
ہلاکِ ہنگامۂ غزالاں
نہیں کہ میرے رقیب ہیں
مہرباں ہیں میرے حبیب ہیں
میں جو عسیاڈورا کے ساتھ افلاک پر اڑا ہوں
وہ رقص کی گردشیں کہ خود اپنے آپ سے بھی تو چھپ گیا ہوں
وہ مسکراہٹ کہ جس کے پرتو سے
پتھروں کو پگھلتے دیکھا ہے
چاندنی کو مچلتے دیکھا ہے

الجزائر

شوخ رشیل نے فسوں مجھ پہ آزمائے
جگر پہ کولبت کے تیر کھائے
سلام کیوری کے دیس
دیکارت کے وطن
لاڈلی بہاروں کے لہلہاتے چمن
ترے فان تاں بلو کے جھکتے جنگل میں خوب گھوما ہوں
شاخساروں کے سنگ جھوما ہوں
سین کے شبنمیں کناروں پہ گیت گائے
صبا خرامانِ بون دبوا کے ناز اٹھائے
سپہرِ لورین کے ستارے
وہ تیرے لوور کے ماہ پارے
اداس پھولوں کی طرح پیارے
میں بوردو، اور لینز، تولون و تو تت کے گلینوں کا ممنون ہوں
سلونوں میں، ریستورانوں میں
ترے پیرایۂ پذیرائی کا
ترے گرخوں کے اندازِ پیشوائی کا، شیوۂ مرحمت کا رہینِ ہوں
مقاماتِ رنگ و بو
تیرے کچھ ذکر:

آفتاب رخسار، آئینہ رو
مری نگاہوں کے رُوبرو ہیں۔
یہ رہگزاروں میں جگمگاتے ہوئے ایکر
بنے ٹھنے خوش نگاہ کوچر
حریر و زربفت کی طلادوز کرتیاں، کمر یاں سجائے
پلش کی زرکار مسندوں پر
تُمہاں پارٹنر کو بٹھائے
تماشہ گاہوں کو جارہے ہیں
وہ بار کے سامنے جواں کنفسرِ سیہ CONFERENCIER.
تیرے داستاں گو، ترے ثناگر
جو سب سے اُونچے سٹول پہ بیٹھ کر لطیفے سُنا رہا ہے
وہ گوگ تو ہے
ہتھوڑ، خوش باش فلسفی، مسخرا مفکر
سلام لیٹن کوارٹر کے ہنروروں پر
سلام دریا کے اس کنارے پہ گھومنے والے بے گھروں پر
سلام موں مارتر کے زندہ دلوں پہ
موں پارنے کے ان منچلوں پہ
جن کا جواب صدیوں تک نہ ہوگا
مگر یہ ہر سمت زخم خوردہ جوانیاں

الجزائر

تیری بے حیائی کی داستانیں
ترے جنوں و ہوس کے افسانے
تیری راتوں کی لمبی لمبی کہانیاں
میرے سامنے بے قرار دنیا
لٹی لٹی سوگوار دنیا
یہ اپنے ماضی کی یاد میں اشکبار دنیا
میں دیکھتا ہوں تجھے تو یہ دل میں سوچتا ہوں
تجھے جنوں و ہوس میں کچھ بھی سجھائی دیتا نہیں
زمانہ دہائی دیتا ہے اور تجھ کو سنائی دیتا نہیں
یقیں ہے کہ تیرے سینے میں دل نہیں ہے
وگرنہ ممکن نہ تھا کہ یہ دل
ہزار ہا دھڑکنوں کے آہنگ پر سراسر خموش رہتا
گماں یہ ہوتا ہے تیری آنکھیں ہرے ہرے خوابناک شیشے ہیں۔ سرد۔ بے نور
ورنہ میری اُداس راتوں کی طرح ان کی
خموش پلکوں پہ کوئی تارا تو جھلملاتا
کوئی کرن کوئی ننھا جگنو تو ٹمٹماتا
ترا بدن ۔ سرد راکھ کا ڈھیر بھرا گو نگا
تو ایک ہاری ہوئی سیہ کار بے سوا
اپنے حسن رفتہ کی مرثیہ خواں

فسادِ خوں کے مرض میں برسوں سے مبتلا
اپنے حال کی تلخیوں سے نالاں
زمانہ گزرا
کسی صحیفے میں یہ پڑھا تھا
کہ مغفرت کرنے والے بوڑھے پروہتوں نے
کسی کنواری کو سات رنجِ گراں دیے تھے
مگر تجھے
تیری اوچھی ناپاک عادتوں
پیپ سے بھرے عارضوں
اُبلتے ہوئے لبوں
داغ داغ رانوں کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں
کہ تیری بخشش نہ ہو سکے گی
کہ سات پشتوں کی
سات سو سات سال تک سینکڑوں دعائیں
تری خطائیں، تری سزائیں، ترے ہزاروں گھناؤنے جرم
بخشوانے میں ضائع ہوں گی
میں ایک سینہ فگار شاعر
میں ایک فرزندِ الجزائر
یہ پوچھتا ہوں کہ تو نے ژاں پال سارتر کی صدا سُنی ہے؟

بتا کہ سا گاں کا اہلِ دل کی مفارقت کا
وطن سے ہجرت کا درد محسوس بھی کیا ہے؟
بتا اگر کوئی اور بھی ظلم رہ گیا ہے!

اے دل ہوسِ بادۂ سبا، شوقِ ختن کیا
وہ دیکھ بھڑکتا ہے ادھر موت کا بن کیا
اے ساقی و صہبا کے پرستار بتانا
ارزاں تو نہیں خونِ حسینانِ چمن کیا
اے قامت و گیسو کے گرفتار ذرا سُن
دیتا ہے صدا سلسلۂ دار و رسن کیا
ہم دفن سرِ چشمۂ خورشید ہوئے ہیں
اب شکوۂ ہجراں، گلۂ شامِ وطن کیا
یہ خونِ شہیداں بھی عجب رنگِ سخن ہے
دشمن کو نہ تڑپائے تو وہ رنگِ سخن کیا
چھپ سکتا نہیں خون کبھی اہلِ وفا کا
اے شمر کے پیرو یہ صفائی کے جتن کیا
بو خون کی آتی ہے جوئے شیر سے ظاہر
روتا ہے فرات آج تہِ چرخِ کہن کیا

الجزائر

کراں تا کراں رفعتِ آسماں را سیاست سیہ رُو کی صورت کھڑا ہے
زہے مصحفِ سرگزشتِ صحارا لہو میں شہیدوں کے ڈوبا پڑا ہے
جہانِ تصوّر تحیّر میں گم ہے، سبک روح کرنوں پہ سکتہ ہے طاری
مِرے ریگزاروں مرے رہگزاروں میں رہ رہ کے سیلاب جاری

کہاں ہیں مرے مسکراتے ہوئے مرمریں ساحلوں کی مہکتی صبائیں
جواں سال شہزادیوں کی ٹھمک چال چلتی ہوئی لہلہاتی ہوائیں
کہاں جا بسیں وہ حسیں دلہنیں پاک سینوں میں خوشبو کے طوفاں چھپائے
چنگیروں میں گاتی رُتوں کے شگوفے سنہری زمانوں کے غنچے سجائے

کہاں ہیں کہاں وہ نگارانِ گلپوش وہ سایہ رُستانِ باغِ جوانی
بتا اے صحارا خدارا خدارا، دکھا ان ستاروں کی کوئی نشانی
کہاں ہیں وہ خوش قامتانِ بیاباں، غزالاں اوراں، نخیلانِ صحرا
سرائیندگانِ ستارہ سیر، وہ شگفتہ نظر وہ حسینانِ صحرا

کہاں ہیں وہ شہرِ تمنا کے رستے وہ گلیاں وہ کوچے وہ محجوب راہیں
بدن کو چراتی ہوئی نازنینیں، نقابوں کے اندر جھجکتی نگاہیں
کہاں ہیں وہ آنکھیں حیا سے جو خاموش تھیں بے نیاز، بہ جرمِ تقاضا
کہاں ہیں وہ پھولوں کی پریاں کہ خونِ رگِ خوابِ تھا جنکے چہرے پہ غازا

الجزائر

کہاں جا چھپے سانولے چاند ہائے کہ صباح یسماب جن پہ فدا تھی
کہاں ہے وہ زنجیرِ نقشِ کفِ پا کہ موجِ نفس کے لئے رہنما تھی
کہاں ہیں وہ جن کو محبت میں جینا گراں تھا کبھی زندگی کا یقیں تھا
جیالے جواں جن کا حرفِ جگر سوز رخنہ گرِ برجِ عرشِ بریں تھا۔

کہاں ہیں وہ گوہر سرشتانِ عالی کہاں کھو گئے وہ دُرِ کبریائی
کہاں ہیں کہاں وہ گلِ گیتی آرائے دوراں کہ دنیا کرے پیشوائی
کہاں وہ جوانانِ گردوں حشم ہیں کہاں وہ فقیرانِ گوشہ نشیں ہیں
کہاں آج وہ بحر پیما کہاں آج دریا دلانِ فراخ آستیں ہیں

یہ ماضی کا ماتم نہیں ہے محبو مجھے علم ہے یہ جہاں رفتنی ہے
وفا پیشگاں یاد آنے لگے ہیں وگرنہ زمانے میں کس کی بنی ہے
میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہم اک نئی کربلا کے مسافر ہیں یارو
یہ اہلِ وفا کے ہزاروں مقاتل ہمارے مقابل میں کافر ہیں یارو

یہ بامِ مقدر پہ تاروں کے نوحے لرزتی ہوئی قسمتوں کی فصیلیں
حصاروں کے سینے میں کتنے ہی گھاؤ لہو سے بھری خندقیں سرخ جھیلیں
تڑپتے ہوئے تیتروں کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے سُرمئی کنگرے ہیں
لہو سے انھیں جگمگانا پڑے گا یہ پروا نہیں ہے کہ اچھے برے ہیں

عفونت بھری زمند کے ایک لانبے لبادے میں لپٹی ہوئی وادیاں ہیں
جہاں ور جہاں کہر چھائی ہوئی ہے نظر سے نہاں آج آبادیاں ہیں
وہ گمگارتا گھورتا گھور گھن ہے سجھائی نہیں ہاتھ کو ہاتھ دیتا
مگر تم سمجھتے ہو یارو سیہ بختیوں میں نہیں کوئی بھی ساتھ دیتا

یہ پروا نہیں ہے سروں پر ہیں چھائے ہوئے سُولیوں کے سیہ آسمانے
دُھواں ہی دھواں چار سو ہے، تنے ہیں سحابِ سَم آلود کے شامیانے
یہ بربادیوں کے بھیانک بھنور وحشتوں کے یہ طوفاں ستم کی گھٹائیں
مجھو یہ پروا نہیں آج قافِ اجل سے اُترنے لگی ہیں بلائیں

اگر وقت بدرَو کے ناپاک پانی کی صورت کھڑا ہے یہ بہتا نہیں ہے
تو سمجھو اسے موجِ خوں کی طلب ہے، یہ بیچارہ منہ سے تو کہتا نہیں ہے
یہ پتھر کا بُت ہے اسے آج تازہ لہو میں جو نہلاؤ یہ سحر ٹوٹے
یہ قیدِ طلسماتِ باطل سے چھوٹے کوئی اسکے ہونٹوں سے نغمہ تو پھوٹے

اٹھو اب سفینوں کی جانب بڑھاؤ قدم پاک ہاتھوں میں پتوار لے لو
تمہاری امانت ہے موسے کی تلوار آؤ، یہ برقِ شرربار لے لو
سمومِ صحارا سے رفتار لے لو بگولوں سے آدابِ گفتار لے لو
بھڑکتی ہوئی دھوپ ماں کی ہنسی ہے مقدس ہنسی کے یہ انوار لے لو

الجزائر

شناور وہی ہے جو دریا میں کودے جو اپنے لہو کے چمن میں نہائے
یہ کیا چاند کی طرح پانی میں چہرے کی پرچھائیاں دیکھ کر مسکرائے
ادھر ساحلِ عظمتِ جاوداں سے وہ آواز دینے لگا ہے بروسا
مرے صاحبو بحرِ ظلمات میں بس خدا کا سہارا اسی پہ بھروسا

وہ دیکھو وہ جبرالٹر ہے وہ جبرالٹر ہے وہ دیکھو وہ طارق کھڑا ہے
نکیلی چٹانوں کے سینے پہ دیکھو تمہاری شجاعت کا جھنڈا گڑا ہے
سجیلا سپہدار بانکا سپاہی سنو تو دعائے ظفر دے رہا ہے
اندھیروں پہ یلغار کرتے ہوئے بربروں کو نویدِ سحر دے رہا ہے

اٹھو آج ساری حدیں پھاند جاؤ اندھیروں کے سیلاب میں کود جاؤ
بڑھو اور طوفاں پہ طوفاں اُٹھاؤ، اٹھو بحر در بحر دھومیں مچاؤ
کنارے کنارے تمہارے نکارے شرربار شُونے، اگر انڈیل بیٹھے
کسے تاب ہے تم سے آنکھیں ملائے کسے اتنی ہمت کہ شیروں کو چھیڑے

حسین جگر دار سے نوجواں دے کی دہرا رہا ہے وطن داستانیں
جھنجھنتی چٹانیں کڑکتی کمانیں لپکتی سنانیں چمکتی عنانیں
بڑھا جا رہا ہے سمندِ اجل کی لگامیں اُٹھائے، عدو کو بھگائے
وہ تیغوں میں کتنے دلوں کو پروئے وہ نیزوں پہ کتنے سروں کو سجائے

وہ میداں میں قادر سا مردِ جہانگیر کو دا وہ کوہ گراں کپکپائے
وہ گھمسان کا رن پڑا گھن کی چوٹیں چلیں گھن برن دیوتا گھر گھرائے
معزی کے نعروں سے کتنے حصاروں کے سنگین سینے میں ناسور پیدا
ادھر خانۂ بے چراغ صحارا کی سونی منڈیروں سے کچھ نور پیدا

یسار و یمیں ابنِ حمزہ کے پردار تیروں کی رہ رہ کے پرواز دیکھو
وہ توپوں پہ جھپٹے وہ تیغوں سے لپٹے طلایہ پہ ٹوٹے وہ جانباز دیکھو
یہ خونیں کفن یہ جیالے جواں یہ جگر آزما یہ رفیقانِ عالی
ابھی ریف کا شیر بھی تو ہے زندہ نہیں اپنا بیشہ پلنگوں سے خالی

جگر آزمانو جوانوں کو آتی نہیں یہ سیاست کی ناپاک چالیں
ہماری روایات یہ ہیں کہ مرنے کو نکلیں تو مانگیں نہ زرہیں نہ ڈھالیں
جہاں جانتا ہے کہ تقدیر گر ہیں قریش و حراں کے بہادر قبیلے
یہ وہ ہیں جو توپوں کو بیمار طوطے بموں کو سمجھتے ہیں مٹی کے ڈھیلے

نہ وہ نفرتوں کے اُبھرتے ہوئے قہقہے ہیں نہ وہ زعم ڈیگال باقی
نہ لاکوستے کے سیہ چال باقی نہ پھیلے ہوئے موت کے جال باقی
زہے کامرانی تمہاری شجاعت کے چرچے ہیں دنیا کے دانشوروں میں
زہے کامیابی تمہارے شہیدوں کا ماتم ہے برپا عدو کے گھروں میں

یہ درویش و غازی یہ بانکے نمازی یہ سوزِ صحارا یہ لحنِ حجازی
عبادت ہے جن کے لئے سرفروشی، چلن پاکبازی، مسافر نوازی
اکیلے نہیں آج اہلِ جزائر انہیں کی طرف ہے خدا کی خدائی
نبی کا حرم ہو کہ وہ مسجدِ قیروان ہو نہیں ان میں کوئی جدائی

مگر آج بابِ حرم کی طرف بھی تو دیکھو اکٹھے ہوئے ہیں مسلماں
مرے ہفت کشور کے یہ اہلِ ایماں، بلاد و اقالیم کے مردِ ذیشاں
بظاہر دکھائی یہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ محوِ طوافِ حرم ہیں
مگر میں کہوں گا کہ یہ الجزائر کی جانب کروڑوں کے اُٹھتے قدم ہیں

وہ سوکارنو ہو کہ ابنِ بطوطہ اسی آسماں کے ستارے ہیں دونو
مراکش کا مولا ہو یا وہ ملایا کا ٹنکو ہمارے پیارے ہیں دونو
نہ رنگت کا جھگڑا نہ تکرارِ ملک و زباں کی نہ کوئی غرورِ نسب ہے
محمدؐ کا جو نام لیوا ہے وہ کوئی بھی ہو ہمارا شریکِ حسب ہے

اذاں اب تو مغرب کی دینے لگے ہیں حریمِ اجل میں بلالِؓ گرامی
اُٹھو دوستو دیکھتے کیا ہو اٹھو نہ آئے گی پھر ساعتِ نیک نامی
ابھی وقت ہے ایک صف میں کھڑے ہو کے آؤ تو بخشش کا سامان کر لیں
نبیؐ کے صحابی کی آواز پر جان کیا چیز ہے آن قربان کر دیں

الجزائر

مرے ہفت کشور کے بانکے جوانو یہ مغرب کا لمحہ بہت مختصر ہے
ذرا سی بھی تاخیر اس میں گوارا نہیں ہے کہ یہ حکم خیرالبشر ہے
سحر ہو گئی تو نبی کے صحابی سے آنکھیں ملانے کا یارا نہ ہو گا
مگر میں سمجھتا ہوں میں جانتا ہوں کہ یہ رنج تم کو گوارا نہ ہو گا